بسلسلۂ اشاعت اردو

اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَیَّنُوْا ۔ قرآن ۔

اصول حدیث کی نہایت دلچسپ، جامع و کامل کتاب، اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے مقدمہ مشکوٰۃ کی مکمل اور بہترین اردو شرح

مع اضافہ و ترمیم

المنہج القوی فی شرح المقدمۃ للدہلوی

مؤلفہ

ابو نصر محمد نجیب اللہ قاسم نگری (ممتاز المحدثین)

مصنف

کتاب الاملاء فی قوانین الانشاء (عربی)

"ختم نبوت" (بنگلہ) و "پردۃ تا" ناریدیر شمبل وغیرہ

پرنسپل "مصطفویہ عالیہ مدرسہ بوگرا"

(مشرقی پاکستان)

باہتمام

مولوی شیخ مبین احمد ایوبی، مالک حدیث منزل بوگرا

۱۳۷۱ھ — طبع ہو کر شائع ہوئی — ۱۹۵۲ء

Marfat.com

DATA ENTERED

فہرست مضامین المنہج القوی

۸۲۶م

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
۱	**تمہید**	۸
۲	مقدمہ مؤلف ۹ — ۱۰	
۳	حدیث، اصول حدیث کی تعریف موضوع غرض	۱۰
۳	کتب حدیث کے بعض رموزات کا بیان	۱۱
۴	ضبط بعض اسمائے رواۃ	۱۲
۵	ضبط بعض اسمائے مفردہ	۱۴
۶	انساب کا بیان	//
۷	اصول حدیث کے بانی مبانی کون تھے؟	۱۵
۸	نسخ کا بیان	۱۷
۹	شرائط نسخ	۱۸
۱۰	علامات نسخ	//
۱۱	طبقات المحدثین	۱۹
	مقدمہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ	
۱۲	حدیث کی تعریف	۲۶
۱۳	مرفوع، موقوف، مقطوع کا بیان	//
۱۴	مرفوع موقوف ومقطوع کی تمثیلات	//

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
۱۵	مرفوع وغیرہ کی حجیت میں علماء کے مذاہب واختلافات	۲۷
۱۶	حدیث واثر کا اطلاق و فرق	۲۷
۱۷	اقسام رفع	۲۹
	رفع صریحی، قولی، فعلی، تقریری	
	رفع حکمی قولی، فعلی، تقریری	
۱۷	من السنۃ کذا میں محدثین وفقہا کے مذاہب	۳۰
۱۸	سنت حدیث، خبر، اثر میں کیا فرق ہے	۳۱
	فصل. السند هو طريق الحديث ۳۲ — ۴۶	
۱۹	سند، متن، متصل، منقطع، مرسل وغیرہ کی تمثیلات	۳۲
۲۰	امام بخاری کے تعلیقات میں فرق	۳۳
۲۱	مطلب ما ذکرہ بصیغۃ التمریض والمجهول	۳۴
۲۲	اقسام تعلیق	//
۲۳	معضل ومنقطع کے درمیان کیا نسبت ہے	//

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۲۶	مرسل کا بیان	۳۵
۲۷	قبول مرسل میں علماء کے اقوال	″
۲۸	معضل کا بیان	۳۷
۲۹	معضل و معلق کے درمیان کیا نسبت ہے؟	″
۳۰	منقطع کا بیان	″
۳۱	منقطع کی تفسیر و مواقع استعمال	۳۸
۳۲	تدلیس کا بیان	۳۹
۳۳	تدلیس کے اقسام	″
۳۴	تدلیس کا حکم	۴۰
۳۵	مرسل خفی کی بحث	۴۱
۳۶	مروی عنہ سے راوی کی عدم ملاقات معلوم کرنے کا طریقہ	۴۲
۳۷	مضطرب کا بیان	″
۳۸	اضطراب کی مثال	″
۳۹	حدیث قلتین کی بحث	۴۳
۴۰	مقلوب کا بیان	۴۴
۴۱	قلب کے اقسام	″
۴۲	حدیث اذا سجد احدکم فلا یبرک کما یبرک البعیر ولیضع یدیہ قبل رکبتیہ کی بحث	″
۴۳	حدیث ابن عمرؓ ارتقیت فوق بیت حفصہ کی بحث	۴۴
۴۴	حکم قلب	۴۵
۴۵	تصحیف کی تعریف، اقسام، امثال	″
۴۶	مدرج کا بیان، اقسام، امثال، حکم	۴۶
	فصل تنبیہ	
	۴۷ ـــــ ۵۱	
۴۷	روایت بالمعنی کا بیان	″
۴۸	روایت بالمعنی میں متقدمین کا مذہب	″
۴۹	نقل بالمعنی کی چند صورتیں	۴۸
۵۰	عنعنہ معنعن کا بیان	۴۹
۵۱	عنعنہ میں علماء کے مذاہب اور اس کا حکم	۵۰
۵۲	مسند کا بیان	۵۱
۵۳	مسند کا اطلاق کس پر ہوتا ہے؟	″
	فصل ومن اقسام الحدیث	
	۵۱ ـــــ ۲۶	
۵۴	شاذ و منکر کا بیان	″
۵۵	اس کی مثالیں	۵۲
۵۶	معلل و متابع کا بیان	۵۴

Marfat.com

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۵۷	متابعت کے اقسام	۵۴
۵۸	شاہد کا بیان	۵۵
۵۹	متابع وشاہد میں فرق	〃
۶۰	اعتبار کا بیان	〃
۶۱	متابع وشاہد کی مثال	۵۶
۶۲	قول الترمذی وفی الباب عن فلاں کے معنی	〃
	فصل واقسام الحدیث ثلثة ۵۷ — ۵۹	
۶۳	صحیح کا بیان، اسکے اقسام	۵۷
۶۴	حسن کا بیان	۵۸
۶۵	عدالت، تقویٰ، مروت کا بیان	〃
۶۶	عدالت شہادت اور عدالت روایت میں کیا فرق ہے؟	〃
۶۷	ضبط کا بیان، اقسام	۵۹
	فصل. اما العدالة	
	وجوه الطعن الخ ۵۹ - ۷۵	
۶۸	اسباب طعن فی العدالة	〃
۶۹	مطلب قولہ اما باقرار الواضع۔	۶۰
۷۰	موضوع کا بیان	۶۱
۷۱	اسباب وضع	۶۱
۷۲	حکم وضع	۶۲
۷۳	علامہ ابن جوزی کا تشدد	۶۳
۷۴	علامات وضع میں امام ابن قیم کا بیان	۶۴
۷۵	موضوع حدیث کی شناخت	〃
۷۶	احادیث نبویہ، مسائل فقہیہ، تفسیر آیات قرآنیہ کی نقل کے متعلق کلیہ	۶۷
۷۷	کتب مؤلفہ پر امام ابن حنبل کا بیان	〃
۷۸	اتہام بالکذب کا بیان	۶۸
۷۹	فسق راوی کا بیان	〃
۸۰	جہالت کا بیان	〃
۸۱	لفظ تعدیل کیساتھ مبہم کا ذکر	۶۹
۸۲	کن کن وجوہات سے راوی مجہول ہوتا ہے؟	〃
۸۳	الصحابة کلہم عدول کی بحث	۷۰
۸۴	بدعت کا بیان اور اس کا حکم	۷۱
۸۵	بدعت کا حق تعریف واقسام	۷۲
۸۶	تلفظ بالنیة کی تحقیق	۷۵
	فصل فی اما وجوه الطعن المتعلقة بالضبط ۷۵ —	

نمبر	مضامین	صفحہ
۸۷	اسباب طعن فی الضبط وغیرہ کا بیان	۷۵
	فصل الحدیث الصحیح الخ	
	۷۷ —— ۷۹	
۸۸	غریب عزیز مشہور، متواتر کا بیان	۷۷
۸۹	الاقل حاکم علی الاکثر کا معنی	۷۸
۹۰	اجتماع غرابت وصحت وشذوذ کا بیان	〃
۹۱	خبر متواتر کی تعریف واقسام	۷۹
	فصل الحدیث الضعیف الخ	
	۸۰ —— ۸۲	
۹۲	ضعیف کی تعریف	۸۰
۹۳	بھذا الاعتبار یتعدد اقسام الضعیف، ویکثر افرادًا وترکیبًا	〃
۹۴	واقسام ضعیف	〃
۹۵	مراتب صحاح وحسان	۸۱
۹۶	اصح الاسانید کی بحث	〃
	فصل من عادۃ الترمذی الخ	
	۸۲ —— ۸۳	
۹۷	اجتماع صحت وغرابت کا بیان	۸۲
۹۸	اجتماع صحت وحسن کا بیان	〃
۹۹	اشکال اجتماع صحت وغرابت وحسن اور اس کے جوابات	۸۲
	فصل۔ الاحتجاج فی الاحکام	
	۸۳ —— ۸۵	
۱۰۰	حجیت خبر صحیح ونحوہ کا بیان	۸۳
۱۰۱	مطلب ان لحوق الضعیف بالضعیف لایفید قوۃً	۸۴
۱۰۲	مطلب الضعیف معتبر فی فضائل الاعمال۔	〃
۱۰۳	حدیث ضعیف پر عمل کرنے کیلئے تین شرطیں ہیں۔	〃
	فصل لما تفاوتت مراتب الصحیح الخ	
	۸۵ —— ۸۸	
۱۰۴	کتب حدیث مراتب	۸۵
۱۰۵	مطلب متفق علیہ	〃
۱۰۶	بخاری کی روایتوں پر دوسری روایتوں کو ترجیح ہو سکتی ہے	۸۶
۱۰۷	شرط بخاری یا مسلم کا مطلب	۸۷
	فصل الاحادیث الصحیحۃ لم تنحصر فی صحیح البخاری ۸۸ ۹۲	

Marfat.com

نمبر	مضامین	صفحہ
۱۰۸	صحیح حدیثیں بخاری و مسلم میں منحصر نہیں	۸۸
۱۰۹	مستدرک حاکم کا بیان	۸۹
۱۱۰	امام بخاری پر اہل ہوا کا اعتراض	"
۱۱۱	امام ابن خزیمہ اور ان کی تصنیف	۹۰
۱۱۲	امام ابن حبان اور انکی کتاب	"
۱۱۳	حافظ ضیاء الدین مقدسی کی کتاب	"
۱۱۴	و دیگر مؤلفات علم حدیث	"
۱۱۵	راوی، حافظ، حجت، حاکم کس کو کہتے ہیں فصل۔ الکتب الستۃ المشہورۃ	۹۱
	۹۲ ——— ۹۸	
۱۱۶	صحاح ستہ کی ترتیب اور اسکے متعلق علماء کے اقوال	"
۱۱۷	ترتیب صحاح کی مزید تحقیق	۹۲
۱۱۸	علو اسناد کے معنی	۹۳
۱۱۹	ثلثیات کے بیان	"
۱۲۰	مؤلفات علم حدیث کے اقسام	"
۱۲۱	طبقات کتب حدیث کا بیان	۹۴
۱۲۴	تصانیف سیوطی پر چند ان اعتبار نکرنا چاہیے	۹۶
۱۲۳	ضعیف و موضوع حدیثوں کی تحقیق کہاں مل سکتی ہے۔	"

نمبر	مضامین	صفحہ
۱۲۴	اسماء الرجال کی چند کتابوں کے نام	۹۶
۱۲۵	اسناد مؤلف کتاب ہذا	۹۷
	ائمہ حدیث کے مختصر حالات	
	۹۸ ——— ۱۰۷	
۱۲۶	امام بخاری رح	۹۸
۱۲۷	امام مسلم رح	۹۹
۱۲۸	امام مالک رح	۱۰۰
۱۲۹	امام شافعی رح	۱۰۱
۱۳۰	امام احمد رح	۱۰۲
۱۳۱	امام اعظم رح	"
۱۳۲	امام ابو یوسف رح	۱۰۴
	امام محمد رح ۱۳۴۔ امام ابو داؤد رح	۱۰۵
۱۳۷	امام ترمذی رح، نسائی رح، دارمی رح	۱۰۶
۱۳۹	امام دار قطنی رح، بیہقی رح	۱۰۷
۱۴۱	امام نووی رح، رزین رح	"
	ترجمۃ المصنف	
	۱۰۷ ——— ۱۱۱	
۱۴۲	مختصر سوانح عمری حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح	
	(ختم شد)	

تمہید طبع ثانی

الحمد للہ تعالیٰ اولاً و آخراً،

المنہج القوی فی شرح المقدمۃ للدہلوی کے نسخے طبع سابق کے ہاتھ بہ ہاتھ ختم ہو گئے، یہ کتاب مذکور کی عام شہرت و مقبولیت کا ادنیٰ نمونہ ہے، باوجود خارج از نصاب ہونے کے بھی طلبہ و شایقین علوم دینیہ اس کے بیحد خواستگار ہیں۔ اس کے مضامین رائقہ و مفاہیم لاحقہ و محققہ سب کے دل میں گھر کر لئے،

ان کی وفور رغبت و کثرت عنایت کی قدردانی کرتا ہوا بعضے دیگر مضامین مفیدہ و سدیدہ بھی طبع لاحق میں ملحق کر دیئے۔

طبع ثانی کے نشر و اشاعت کے لئے میں بصدق دل مالک حدیث منزل بوگڑا کو اجازت دیتا ہوں ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ہ

"مؤلف"

۱۱ رجب سنہ ۱۳۷۰ھ

Marfat.com

تمہید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء و خاتم المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ...... اما بعد

یہ امر مسلم ہے کہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا مقدمہ مشکوۃ المصابیح عربی زبان میں اصول حدیث کا ایک مختصر و مشکل رسالہ ہے اور اب تک اسکی کوئی شرح نہیں لکھی گئی ہے اسلئے اکثر طلبہ اس کے مطالب حل کرنے میں حیران و پریشان رہ جاتے ہیں اس سبب سے بعض طلبہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے اصرار پر احقر نے باوجود بے بضاعتی و کم مائیگی کے اس کی توضیح مطالب و تشریح دقائق کے لئے قلم اٹھایا اور اس کو مفید بنانے کے لئے حتی الامکان کوشش اور سعی کی۔

الحمد للہ بعد از دیدہ ریزی و عرق ریزی او محنت و مشقت کے یہ ایک مکمل شرح ہو گئی ہے اور میں نے بعض اساتذہ کرام کی ہدایت سے اس شرح کو **المنہج القوی فی شرح المقدمۃ للدہلوی** کے نام سے موسوم کیا ہے اسمیں مجمل مضامین کی تشریح کرتا ہوا اس فن کی دوسری کتابوں سے جو مضمون اخذ کیا گیا وہ علیحدہ بطور فائدہ کے لکھدیا گیا ہے۔

ناظرین کرام سے امید ہے کہ سہو و خطا پر کہ ملازمہ فطرت انسانی ہے نیک و یہ مبذول فرمائیں گے والعذر عند کرام الناس مقبول۔

ڈاکخانہ لامچر، موضع قاسم نگر ضلع نواکھالی (بنگالہ)

مورخہ ۱۲ را کتوبر ۱۹۳۲ء

خاکسار

ابو نصر قاسم نگری

مقدمہ

اس مقدمہ میں علم حدیث اصول حدیث کے موضوع و مبادی و مسائل کا بیان کیا جائے گا کیونکہ مبتدی کو جب تک ان امور مذکورہ سے واقفیت نہ ہوگی وہ حصول مطالب سے ناکام رہے گا چونکہ شیخ علیہ الرحمۃ نے بوجہ اختصار ان امور کو قلم انداز فرما دیا تھا، اسلئے میں نے اس مقدمہ میں اسکا بیان کر دینا ضروری سمجھا ہے۔

واضح ہو کہ علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ہر علم کے لئے موضوع و مبادی و مسائل ہوتے ہیں:۔ موضوع اس کو کہتے ہیں جس میں اس علم کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جاتی ہے۔ مبادی وہ ہیں جس پر علم کی بنا رہوتی ہے یعنی مباحث جس پر موقوف ہوتے ہیں اسکو مبادی اور وہ علم جن امور سے مشتمل ہے اس کو مسائل کے نام سے نامزد کرتے ہیں۔

اب جاننا چاہیے کہ علم حدیث کا موضوع، مبادی، مسائل کیا ہیں یاد رہے کہ رسول ہونے کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک علم حدیث کا موضوع ہے اور حدیث کے احوال و اوصاف علم حدیث کے مبادی ہیں اور احادیث سے جو شے مقصود ہے وہ اس علم کے مسائل ہیں، بطور وجہ حصر اس مضمون کو یوں ادا کیا گیا ہے کہ علم حدیث سے جو کچھ ضروری ہے اگر وہ علم سے مقصود ہو تو وہ مسائل ہیں ورنہ اگر وہ مسائل کے ساتھ متعلق ہو تو موضوع ورنہ مبادی ہیں۔

Marfat.com

علم حدیث کی تعریف | جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور عادات و احوال کو پہچانا جاتا ہے وہ علم حدیث ہے

علم حدیث کا فائدہ | سعادت دارین حاصل کرنا ہے کذا فی الفوائد الخاقانیہ (کشف الظنون)

اصول حدیث کی تعریف وہ علم ہے جس سے راوی کے حالات اور بحیثیت قبول ورد احادیث کے احوال معلوم کیے جاسکیں، وہ اصول حدیث ہے۔

اصول حدیث کا موضوع بحیثیت قبول ورد، خبر و راوی اس کے موضوع ہیں۔

غرض خبر یا راوی مقبول ہے یا مردود اس میں امتیاز حاصل کرنا اصول حدیث کی غرض ہے۔

فائدہ۔ علم حدیث کے بعض رموزات کے بیان۔

حدثنا، اخبرنا، انبأنا علامہ عینی نے شرح صحیح بخاری کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ علامہ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ سامع لفظ شیخ ان تینوں کلمات کا استعمال کرسکتا ہے

امام بخاری کے بیان (باب قول المحدث حدثنا) سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ان کلمات کے درمیان کچھ فرق نہیں ہے، امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ امام مسلمؒ کے نزدیک ان کلمات کے درمیان میں یہ فرق ہے کہ صرف سامع لفظ شیخ کو یعنی قراۃ علی التلمیذ میں حدثنی اور قراۃ علی الشیخ میں اخبرنی

استعمال کرنا چاہیئے، جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے، شاگرد اگر تنہا سماع حاصل کرے تو حدثنی اور اگر جماعت کے ساتھ ہو تو حدثنا استعمال کرے۔

ثنا، نا، انا، انبأ، حدیث کی سند میں جہاں کہیں "ثنا و نا" مذکور ہوں اس سے مراد حدثنا ہے قاری کو وہاں قال حدثنا پڑھنا چاہیئے اسی طرح جہاں "انا" ہو اس سے اخبرنا مراد ہے قاری کو وہاں قال اخبرنا پڑھنا چاہیئے (نووی) اور جہاں "ابنا" ہے وہاں "انبأنا" مراد ہے قاری کو قال انبأنا پڑھنا چاہیئے کذا فی شرح الشمائل للترمذی۔

ح حدیث کی کتابوں میں بہت جگہ "ح" حائے حطی آتی ہے، یہ حائے تحویل ہے قاری کو وہاں ح قال الخ پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ تحویل کے بعد قال محذوف ہوتا ہے کذا فی النووی، تحویل کے معنی یہ ہیں کہ جب ایک ہی حدیث کی سند دو اسنادوں سے شروع ہو، پھر اوپر کے درجہ میں جاکر وہ سندیں ایک ہی استاد سے ملجاتی ہیں تب اس کی روایت ایک اسناد سے شروع کرکے اوپر کے درجہ میں پہنچا کر پھر دوسرے اسناد سے روایت شروع کرکے اسی درجہ میں پہونچا دینا۔ چنانچہ حدثنا قتیبۃ عن مالک ح اخبرنا اسحٰق عن معن عن مالک، اس سند میں شروع کے دونوں سلسلے مالک میں جاکر مل گئے، اسی لئے مالک کو مجمع تحویل اور اس فعل کو تحویل کہا جائے گا۔ کذا فی شرح الشمائل للترمذی۔

ھو یعنی۔ واضح ہو کہ راوی کو اپنے شیخ کے سوا کسی دوسروں کے نسب وصفت میں کچھ اضافہ کرنا جائز نہیں، البتہ اگر اس کی تعریف کرنی یا التباس کا ازالہ کرنا مقصود ہو تو اس کو ہو یا یعنی کے ساتھ پورا کرنا اور یوں کہنا چاہیئے کہ حدثنی

Marfat.com

فلان یعنی ابن فلان، او ہو ابن فلان، بعضوں نے اس کو زائد کہا مگر وہ جہل ہے ۔ کذا فی النووی ۔

ابن ۔ اگر لفظ ابن دو علموں کے درمیان اس طرح واقع ہو کہ وہ علم اول کی صفت ہے، تو علم اول کو بلا تنوین پڑھنا چاہیے ۔ اور اگر اول واخیر سطر میں واقع ہو تو الف لکھی جاتی ہے ورنہ نہیں کذا فی العینی ۔

فائدہ دیگر ۔ ضبط بعضے اسماء رواۃ کے بیان ،

قاعدہ لفظ سلام کتب حدیث کی ہر جگہ میں بتشدید لام ہے مگر پانچ جگہوں میں نہیں، اول عبداللہ بن سلام جو صحابی ہے ۔ دوم سلام بن ابی الحقیق یہودی سوم محمد بن سلام بیکندی جو بخاری رح کے شیخ ہے چہارم سلام ابن محمد المقدسی پنجم عبدالوہاب بن سلام ان پانچ آدمیوں کے ناموں میں سلام بتخفیف لام ہے

عمار، ہر جگہ میں بضم عین ہے، الا ابی بن عمارۃ کو بکسر عین پڑھنا چاہیے ۔

کریز، اگر قبیلہ خزاعیہ کا ہو تو بالفتح ہے، اگر عبد شمسی ہو مصغر وبالضم،

عسل، ہر جگہ میں بکسر العین وسکون المہلتین ہے مگر عسل بن ذکوان الاخباری میں بفتحتین،

قمیر، ہر جگہ میں مصغر وبالضم ہے مگر نام زن مسروق بن الاجدع بالفتح ۔

براء، ہر جگہ میں بالفتح والتخفیف ہی مگر ابو العالیۃ البراء، وابو معشر البراء بتشدید الراء ہے ۔

حصین، ہر جگہ میں تصغیر مگر ابو حصین عثمان میں بروزن طویل ہے ۔

حبان، ہر جگہ میں بفتح الحاء وتشدید الباء ہے مگر حبان بن عطیہ حبان بن موسی وحبان بن العرقہ میں بالکسر والتشدید ہے ۔

حبیب ہر جگہ میں بروزن طویل ہے مگر ابو خبیب خبیب بن عبدالرحمن

خبیب بن عدی میں بالخاء والتصغیر ہے۔

حکیم ہر جگہ بروزن طویل ہے مگر رزیق بن حکیم، حکیم بن عبداللہ میں بتصغیر ہے۔

رباح ہر جگہ میں بفتح الراء وبالباء ہے مگر زیاد بن ریاح میں بکسر التحتیہ کے ساتھ ہے۔

زبید۔ ہر جگہ میں تصغیر زبد بالموحدہ بمعنی مسکہ ہے الا زبید مؤطا میں ہے تصغیر زید بالتحتیہ ہے۔

مسور ہر جگہ میں مضرب اسم آلہ کے وزن میں۔ ہے الا مسوّر بن یزید صحابی و مسور بن عبدالملک بربوعی میں بروزن محمد ہے۔

سلیم۔ ہر جگہ میں تصغیر کے ساتھ الا سلیم بن حیان کہ بروزن طویل ہے۔

سلم ہر جگہ میں سکون اللام ہے۔

سلمہ ہر جگہ میں بفتحات ہے مگر عمرو بن سلمۃ الحرمی و بنو سلمہ میں بکسر لام ہے

سلامہ کلہ بتخفیف اللام ہے۔

عبیدۃ ہر جگہ میں بالتصغیر ہے مگر چار جگہوں میں بروزن فعیلہ ہے عبیدہ سلمانی۔ و ابن سفیان و عامر بن عبیدہ الخدائی

عزیز ہر جگہ میں بالفتح الا قتادہ بن عزیز التابعی بالضم۔

عبادہ ہر جگہ میں بضم العین و تخفیف الباء ہے۔ الا عبادۃ الواسطی استاذ بخاری بفتح عین ہے۔

عبدۃ ہر جگہ میں بفتح عین و سکون باء موحدہ ہے الا عامر بن عبدۃ جو مسلم کے خطبہ میں ہے بفتحتین ہے، کذا بجالۃ بن عبدۃ

عباد، ہر جگہ میں بفتح العین وتشدید الباء الموحدہ ہے، مگر قیس بن عباد بضم عین وتخفیف موحدہ ہے۔

عبید وحمید، ہر جگہ میں مصغر ہیں۔

ابی کلہ بضم الہمزہ وفتح باء موحدہ وتشدید الیاء التحتیہ ہے مگر آبی اللحم بہمزہ مفتوحہ وباء مکسورہ ہے؛

بشیر کلہ بروزن طویل ہے الا بشیر بن کعب بشیر بن یسار مصغر ہیں۔

زبیر، ہر جگہ میں بالضم وفتح الباء الموحدہ ہے مگر عبد الرحمن بن الزبیر بفتح الزاء ہے۔

عقیل کلہ بالفتح، مگر عقیل بن خالد الایلی ویحی بن عقیل وبنی عقیل قبیلہ میں بالضم ومصغر ہے۔

واقد کلہ بالقاف،

یسرة بالسین والیاء التحتیہ المفتوحة مثلاً بسرة بن صفوان اور بسرة بالباء بنت صفوان

شریح، بالمعجمة، کلہ مصغر،

ضبط بعض اسماء مفردہ (ماخوذ از فتح الباری)

اثاثہ، بضم الالف ای مسطح بن اثاثہ صاحب افک خلی بروزن علی خصیب بروزن طویل مگر بریدہ بن حصیب مصغر ہے بقیہ بروزن فعیلہ بجالة بفتح موحدہ تخفیف جیم، بجینہ مصغر، ام عبد اللہ زوجہ مالک خرخشہ بفتحتین ذکوان، بفتح ذال وسکون کاف دحیہ بالکسر وسکون الحاء دکین مصغر، ذریر، بروزن طویل سمرة بضم میم عمیس مصغر وکذ حریم نسیبہ، مصغر، نشیط بروزن طویل خلاس، بکسر وتخفیف (انساب) الایلی، کلہ بفتح وسکون الیاء التحتانیہ البصری، کلہ

Marfat.com

بالکسر الجریری، کلہ بضم الجیم و فتح الراء، الحارثی کلہ بالحاء، السلمی بفتح اللام الہمدانی بسکون المیم والدال المہملۃ الا ابن عمویہ الہمدانی بفتح المیم و فتح الدال المعجمۃ حمدان بالمہملۃ قبیلہ و بالمعجمۃ شہر کا نام ہے۔ الجرمی بفتح الجیم و سکون الراء، دیلمی بکسر الدال و سکون الیاء کما فی الاکمال والاصح انہ بفتح الدال منسوب الی دیلم جبل معروف کما فی المغنی الثوری بالفتح منسوب الی قبیلۃ، البغوی بفتح الباء والغین، البغدادی بالفتح، منسوب الی بغداد مدینۃ معروفۃ، معرب باغ داد کما قیل مرکب بغ و داد ای عطیۃ بغ۔

(کیفیت) واضح ہو کہ انساب و اسماء رواۃ وغیرہ کا بیان مذکورۃ الصدر مقدمہ فتح الباری شرح بخاری، مقدمہ عمدۃ القاری شرح بخاری، مغنی و عجالہ نافعہ محدث دہلوی وغیرہ سے لیا گیا ہے۔

(فائدہ) واضح ہو کہ اصول حدیث کے بانی مبانی کون تھے؟ علماء میں اس کے متعلق اختلاف ہے، حقیقت میں یہ اختلاف کا موقع بھی تھا، کیونکہ اس بے بہا اور بیش قیمت موتی کس کے ہاتھوں پہ لگا، یہ لاثانی و بے نظیر درخت کی گٹھلی کس کے ہاتھوں سے رکھی گئی، یہ قصر عالی شان، بلند مقام رفیع منزل کا سنگ بنیاد کس کس کے ہاتھوں سے رکھا گیا۔ اکمیں اختلاف ہونے کے اسباب بکثرت پائے جاتے ہیں کیوں نہیں ان کا منسوب لیکا فخر و ناز، نیک نیتی و دور اندیشی عقل کی رسائی فہم کی بلند پروازی کا اقرار ان کے فضل و کمال ان کی درایت و لیاقت کا اعتراف دنیا کر رہی ہے، تو پھر اس میں اختلاف کا نہ ہونا کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔؟

پھر کون تھے؟ تو جواب یہی حق ہے کہ اس متبرک فن کے بانی اول قرآن کریم ہے اور اس کے معلم اول سرور کائنات فخر موجودات علیہ الف الف تحیات تھے، اور

Marfat.com

اس کے رائج اور مکمل اول قائد اسلام، فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کیا اسلام ان کے مقولہ ہانوا الشاہد کو پس پشت ڈال سکتا ہے؟ بلکہ تا ابد الی یوم القیامۃ والانشقاق یادگار کا صفحہ روزگار میں برقرار رہنا ناگزیر ہے

بہر حال۔ کتابی صورت میں کس بزرگ نے اس کو فخریہ لباس سے زیبائش بخشی حسب دستور یہ بھی اختلافی معرکہ سے مستغنی نہیں ہے علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی عبارت آرائی کے رنگ میں اس اختلاف کی طرف ضمنی اشارہ کرتے ہوئے ارقام کیا ہے کہ قاضی علامہ رامھرمزی نے پہلے پہل اس مسئلہ میں ایک کتاب تصنیف کی چونکہ تھی یہ کتاب اپنے فن میں تصنیف اول اس لئے درجۂ کمال کا رتبہ بدیگر وجوہات حتمیہ حاصل نہ کر سکی حاکم نیساپوری نے قلم اٹھایا۔ ناتمام رہی علامہ خطیب بغدادی کا قلم کیونکر خطا کر جائے، باقاعدہ فن کے اسباب و لوازم کو بھی چمکیلا ستارہ بنائے بلندی کے آسمان میں اچھالا یا۔ روشن ہوا، دنیا فیضیاب ہوئی ظلمت کدہ سے نکلی یہ انہیں کا عظیم الشان احسان ہے۔

اس کے علاوہ فن حدیث وغیرہ میں مصنف موصوف کی بہت ساری تصانیف ایسی ہیں جو لاحقین کے لئے چشمۂ ہدایت، مایہ ناز سمجھی جاتی ہیں، کیا خوب ارشاد ہے عسقلانی کا کہ ان المحدثین بعد الخطیب عیال علی کتبہ، علامہ سیوطی نے تدریب میں لکھا ہے کہ خطیب بغدادی کے بعد حافظ تقی الدین، ابن الصلاح وغیرہم نے بھی اس فن میں کتابیں لکھی ہیں آج کل متاخرین کی تصنیفوں میں شیخ ابن الصلاح کی کتاب الموسوم بہ مقدمۃ ابن الصلاح مقبول عام ہے اس کا وجود بھی فی الحال غنیمت ہے۔ بندہ نے جا بجا اسی سے ہدایت حاصل کی

اللهم اغفر لي وارحم الائمة المذكورين وجميع المتقدمين واغفر
لمشائخي العظام وسائر المتأخرين ونجنا من الضلالة وحسد الحاسدين فلك
الحمد يا رحمن والصلوٰة على صاحب الشريعة واٰله واصحابه اجمعين۔ اٰمين۔

(فائدہ) بکثرت سنتا ہوں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ وہ ناسخ لوگ بیدریغ کہا کرتے ہیں، چونکہ وسیع الفیض، بزرگ استادوں (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے قدم کے ٹھوکر، اثر، دھولی حاصل ہیں اس لئے اس قسم کی باتیں کان میں کھٹکتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس کی طرف مختصر اشارہ کر دیا جائے۔

حافظ علامہ ابوبکر حازمی نے کتاب الاعتبار میں لکھا ہے کہ النسخ في اللغة عبارة عن ابطال شيء واقامة آخر مقامه۔ لغت میں ایک شئے کو باطل کر کے اسکی بجائے دوسرے کو قائم کر دینے کا نام نسخ ہے، نسخ لغتاً دو معنوں کے مقابلہ میں موضوع ہے ایک تو نسخ الی بدل مثلاً نسخت الشمس الظل ای اذهبته وحلت محله یعنی آفتاب نے سایہ کو مٹا ڈالا اور خود اس جگہ میں آ گیا، دوسرا النسخ الی غیر بدل مثلاً نسخت الريح الآثار یعنی ابطلتها اور نسخ کبھی معنی میں نقل کے بھی آتا ہے مثلاً نسخت الكتاب اذا نقلت ما فيه وليس المراد منه اعدام ما فيه۔

نسخ کی اصطلاحی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے کہ انتہائے مدت عبادت کے بیان کا نام نسخ ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ انقضاء مدت عبادت کی تبیین کا نام نسخ ہے مگر صحیح یہ ہے کہ خطاب متقدم سے جو حکم ثابت ہوتا ہے اس کے ارتفاع پر جو حکم اس طرح دلالت کرتا ہے کہ اگر خطاب متاخر موجود نہ ہوتا تو خطاب متقدم مع التراخی ثابت و برقرار رہتا، اسکو نسخ کہا جاتا ہے۔ بادنیٰ تصحیح۔

علامہ سیوطی تدریب صفحہ ۱۹۵ میں لکھتے ہیں کہ حدیث کے ناسخ و منسوخ کو پہچاننا

Marfat.com

سخت دشوار ہے امام زہری سے مروی ہے کہ ناسخ و منسوخ کی معرفت نے فقہا کو عاجز کر دیا ہے حضرت امام شافعی کو اس فن میں قدرت تامہ حاصل تھی نسخ کی تعریف میں بھی علماء کا اختلاف ہے مختار یہ ہے کہ شارع کا حکم متاخر سے حکم متقدم کو رفع کر دینے کا نام نسخ ہے

علامہ حازمی لکھتے ہیں کہ نسخ کے لئے چند شرائط ہیں اس شرائط سے حدیث کو منسوخ یا ناسخ کہی جا سکتی ہے (۱) نسخ خطاب سے ہونا چاہئے (۲) منسوخ کا حکم شرعی ہونا چاہئے (۳) حکم سابق کوئی مخصوص زمانہ کے ساتھ مقید نہ ہونا چاہئے۔ (۴) اور خطاب ناسخ منسوخ کے پیچھے ہونا چاہئے۔

علامہ موصوف رقمطراز ہے کہ نسخ کی علامات یہ ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ تصریح کر دیتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے مثلاً کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروہا یا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے الفاظ نسخ کے ناطق ہوتے ہیں مثلاً حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرنا بالقیام فی الجنازۃ ثم جلس بعد ذلک وامرنا بالجلوس، یا تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ امر متاخر متقدم کا ناسخ ہے، مثلاً حدیث شداد بن اوس رض افطر الحاجم والمحجوم رواہ ابوداؤد وغیرہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے شداد کی حدیث منسوخ ہے وہ یہ ہے کہ (عن ابن عباس رض) احتجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو محرم وصائم اخرجہ مسلم۔ کیونکہ ابن عباس کا یہ واقعہ حجۃ الوداع ۱۰ھ کا ہے اور شداد کا ۸ھ فتح مکہ کا واقعہ ہے اس لئے حکم متاخر ناسخ حکم متقدم ہوگا (یہ تقدیم و تاخیر تاریخ سے معلوم ہوتی ہیں۔ اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فعل بھی ناسخ ہو سکتا ہے) یا دلالت اجماع نسخ پر ناطق ہے مثلاً حدیث قتل شارب الخمر فی المرابعۃ۔ شرح مسلم میں ہے کہ دل الاجماع علی نسخہ۔ اجماع کیلئے کوئی شے ناسخ نہیں

ہوسکتی ہے نہ اجماع خود ناسخ ہوسکتا ہے البتہ وجود ناسخ پر دلالت کرسکتا ہے کما علم علامہ سیوطی تدریب میں ارقام کرتے ہیں کہ صحابی اگر کہے کہ یہ اخر الامرین ہے تو یہ بھی نسخ کی علامت ہے مثلاً حدیث جابرؓ کان آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما مست النار و یا مثلاً قول ابی بن کعبؓ کان الماء من الماء رخصۃ فی اوائل الاسلام ثم امر بالغسل۔

علامہ حازمی لکھتے ہیں کہ امارات مذکورہ میں اگر تمیز نہ ہو حدیث پر نسخ کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے بلکہ اس صورت میں اسباب ترجیح پر عمل کرنا چاہیئے۔ علماء احناف فقاہت کو ترجیح کے وقت خاص طور پر پیش نظر رکھتے ہیں کما ہو رائی امامنا الاعظم ابی حنیفہ رحمہ چنانچہ امام اوزاعی رح سے امام صاحب کے ساتھ جو بحث ہوئی تھی اس سے یہی سمجھا جاتا ہے، بخوف طوالت وجوہ ترجیحات کے بیان کو قلم انداز کیا جاتا ہے واللہ الموفق والمعین)

(فائدہ طبقہ محدثین کا بیان بہت مشکل ہے، معہذا بعض مخلص احباب کے اصرار سے اس مسئلہ پر مختصر روشنی ڈالی جاتی ہے)

واضح ہو علامہ ابن حجر عسقلانی نے تمام محدثین کو بارہ طبقے میں منقسم کیے طبقہ (۱) اس طبقہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شمار کیے جاتے ہیں۔ طبقہ (۲) اس طبقہ میں کبار تابعین مثلاً سعید بن المسیب وغیرہ ہیں طبقہ (۳) تابعین کا طبقہ متوسط مثلاً حسن بصری ابن سیرین وغیرہما ہیں طبقہ (۴) کبار تابعین سے جنہوں نے روایت کی مثلاً زہری، قتادہ وغیرہما ہیں طبقہ (۵) صغار تابعین ہیں مثلاً اعمش وغیرہ طبقہ (۶) معاصرین صغار تابعین جن سے صحابہ کی ملاقات ثابت نہیں ہے مثلاً ابن جریج وغیرہ طبقہ (۷) کبار اتباع تابعین مثلاً مالک، ثوری وغیرہما طبقہ (۸) اس طبقہ میں طبقہ متوسط تبع تابعین ہیں مثلاً ابن عیینہ و ابن علیہ وغیرہما طبقہ (۹) اس طبقہ میں صغار اتباع

Marfat.com

تابعین ہیں مثلاً یزید بن ہارون، شافعی، ابوداؤد الطیالسی، عبدالرزاق وغیرہم طبقہ (۱۰) اس طبقہ میں ان حضرات شمار کئے جاتے ہیں جنہوں نے تبع تابعین سے حدیث لی ہے اور تابعین سے ان کی ملاقات ثابت نہیں ہے مثلاً احمد بن حنبلؒ وغیرہ طبقہ (۱۱) اس طبقہ میں امام ذہلی، امام بخاریؒ وغیرہما ہیں، طبقہ (۱۲) اس طبقہ میں امام ترمذی اور بعض شیوخ نسائی وغیرہم ہیں کذا فی مقدمۃ التقریب۔

امام ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں محدثین کو اکیس[۲۱] طبقہ میں شمار کیا ہے چونکہ مذکورہ بالا بیان کیساتھ ان کا قول قدرے مشترک ہے اسلئے مابعد ہی سے کچھ تلمیح کی جاتی ہے۔

امام موصوف لکھتے ہیں کہ بارہواں طبقہ میں اناسی[۷۹] حفاظ تھے حافظ ابوبکر الشافعی المتوفی ۳۵۴ھ سے حافظ ابن زبیر المتوفی سنہ ۳۷۹ھ تک یہ دور ختم ہے، طبقہ (۱۳) میں ستر سے زائد حفاظ تھے حافظ ابوذرعہ المتوفی سنہ ۳۹۰ھ سے حافظ ابوالحسن النعیمی المتوفی سنہ ۴۲۳ھ تک یہ دور ختم ہوتا ہے، طبقہ (۱۴) اس طبقہ میں کم وبیش تیس حفاظ تھے حافظ ابوعبداللہ الصوری المتوفی سنہ ۴۳۶ھ سے حافظ حسکانی المتوفی سنہ ۴۹۰ھ تک یہ دور ختم ہوتا ہے طبقہ (۱۵) اس طبقہ میں چالیس حفاظ ہیں، حافظ ابن ماکولا المتوفی سنہ ۴۸۷ھ سے حافظ ابونصر الحسن بن محمد المتوفی سنہ ۵۲۷ھ تک یہ دور ختم ہے طبقہ (۱۶) اس طبقہ میں چوبیس حفاظ ہیں، حافظ محمد بن ناصر المتوفی سنہ ۵۵۰ھ سے محدث تلمسان ابوعبداللہ المتوفی سنہ ۶۱۱ھ تک یہ دور ختم ہے اسی طرح سنہ ۶۲۵ھ تک طبقہ (۱۷) سنہ ۶۵۶ھ تک طبقہ (۱۸) سنہ ۶۸۰ھ تک طبقہ (۱۹) اور سنہ ۷۴۸ھ تک طبقہ (۲۰) اور حافظ ذہبی المتوفی سنہ ۷۴۸ھ تک طبقہ (۲۱) ختم ہوتا ہے اور امام نووی، ابن تیمیہ وغیرہما اسی اخیر طبقہ کے محدث تھے میرا خیال ہے کہ سنہ ۱۰۰۰ھ تک اگر اور ایک طبقہ اضافہ کیا جائے تو حافظ سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ وغیرہ دیگر محدثین متاخرین طبقہ (۲۲) میں داخل ہو جاتے ہیں واللہ اعلم

Marfat.com

فائدۃ فی تاریخ الحدیث

امام جزائری تحریر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے سوا اور کچھ تحریر نہیں فرماتے تھے کیونکہ امام مسلم نے صحیح میں روایت کی ہے (عن ابی سعید الخدری رضؓ) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ وحدثوا عنی فلا حرج الحدیث علماء نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ اشتباہ و اختلاط ہونے کے اندیشہ سے ایسا منع کیا گیا ہے۔ اور یہ طریقہ صحابہ و تابعین کے دور تک باقاعدہ جاری رہا۔ قرآن قید تحریر میں منضبط ہو گیا۔ التباس کا اندیشہ دور ہو گیا اور حدیثوں میں غیر احادیث آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ملا دینے کا خطرہ پیش آگیا یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کا زمانہ آیا انہوں نے جا بجا کتابت حدیث کا فرمان جاری کیا آپ ۹۹ھ میں خلیفہ ہوئے تھے اور ۱۰۱ھ بماہ رجب آپ کی وفات ہوئی ہے۔

امام بخاری تحریر فرماتے ہیں (کتاب العلم) کہ عمر بن عبد العزیز نے ابو بکر بن حزم کو لکھا تھا کہ انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء اور یہ ابو بکر ابن حزم مدینہ میں آپ کے نائب تھے، اور ان سے معمر، اوزاعی، لیث، مالک، ابن ابی ذئب و ابن اسحاق وغیرہم حدیث بیان کئے ہیں۔ ان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی ہے۔ بصورت تدوین اولیت کا مرتبہ امام زہری رحؒ۔ المتوفی ۱۲۴ھ کو بحکم

Marfat.com

حضرت عمر بن عبد العزیز الاموی حاصل ہوئی ہے پھر اس کے بعد ازاں تدوین کا سلسلہ عام ہوگیا
اور حسب تبویب ابن جریج بمکہ، وابن اسحاق یا مالک بالمدینۃ، ربیع بن الصبیح
یا سعید بن ابی عروبہ یا حماد بن سلمہ بالبصرۃ وسفیان الثوری بالکوفۃ واوزاعی
بالشام وہشیم بواسط ومعمر بالیمن وجریر بن عبد الحمید بالرے وابن المبارک بخراسان
نے اول اول اپنے ممالک میں بیٹھکر احادیث نبویہ کی تدوین کی ہے۔ ہکذا قالہ العلامۃ
الحافظ ابن حجر العسقلانی۔ (الماخوذ من مقدمۃ فتح الملہم ص ۹۲ مختصراً)

فائدۃ۔ اول من صنف فی الصحیح المجرد سب سے پہلے صحیح مجرد کی تصنیف امام ابو عبد اللہ محمد بن
اسماعیل البخاری الجعفی نے کی ہے، پھر امام ابو الحسین مسلم بن حجاج النیسابوری۔
القشیری کی تصنیف ہے البتہ امام شافعیؒ کا قول اس کا معارض ہے۔ انہوں نے
فرمایا تھا کہ ما علیٰ وجہ الارض بعد کتاب اللہ تعالیٰ اصح من کتاب
مالکؒ فانہ کان قبل وجودھما وقیل ان مالکا اول من صنف
فی الصحیح یہ مسلم ہے بعض وجوہ سے لا مطلقاً کیونکہ امام مالکؒ نے اپنی تصنیف
مؤطا میں مرسل ومنقطع وبلاغات کو شامل کرلئے، اسی وجہ سے امام ابن حزم نے
فرمایا کہ موطا میں ستر سے زائد حدیثیں ایسی ہیں کہ خود امام موصوف کا بھی ان پر عمل
نہیں ہے۔ نیز وہ بہت حدیثیں ضعیف بھی ہیں واللہ اعلم
(ماخوذ از مقدمہ فتح الملہم ص ۹۴)

فائدۃ علم الحدیث فی الھند علماء ہند کی تصریح ہے کہ ابتداء اسلام سے تا زمانہ طویل دیار ہند

۷۸۲۶

فیوضات علوم السنۃ سے خالی رکھ کر فنون فلسفہ و حکمت یونانیاں سے مملو تھے
فقہی روایات کا چرچہ البتہ بہت تھا تا آنکہ او تعالیٰ کے کرم و فضل نے جو شیخ مار و شیخ
العلامہ عبد الحق محدث دہلوی المتولد سنہ ۹۵۸ھ و المتوفی سنہ ۱۰۵۲ھ پیدا ہوئے اور انھیں کے
ادنیٰ فیض سے کہ جسے ہندہ دار الظلمۃ سے دار السنۃ میں منتقل ہو کر انوار مشکوٰۃ نبوی سے منور ہوا
علامہ ابو العلے عبد الرحمٰن المبارکفوری کی طرح متعصبانہ انداز کے افراد کے قلم بھی
اس کو ماننے پر مجبور ہوئے ھذا ما قال کہ الفضل ما شہدت بہ الاعداء۔
علامہ موصوف مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی کے صفحہ ۳۶ میں ارقام کرتے ہیں
و درج علی ذلک زمان کثیر حتی من اللہ تعالیٰ علی الہند باضاعۃ ھذا العلم
علی بعض علمائہا کالشیخ عبد الحق بن سیف الدین الترک الدہلوی المتوفی
سنۃ اثنتین و خمسین و الف و امثالہم و ھو اول من جاء بہ فی ھذا الاقلیم
و افاضہ علی سکانہ فی احسن تقویم ثم تصدی لہ ولدہ الشیخ نور الحق
المتوفی سنۃ ھ و کذلک بعض تلامذتہ علی القلۃ و من سن سنۃ حسنۃ
فلہ اجرھا و اجر من عمل بہا کما اتفق علیہ اہل الملۃ و تحدیث ھو لاء
اہل الاصلاح و ان کان علی طریق الفقہاء المقلدۃ الصراح دون المحدثین
المبرزین المتبعین الاقحاح و لکن مع ذلک لا یخلو عن کثیر فائدۃ فی الدین
و عظیم عائدۃ بالمسلمین جزاہم اللہ تعالیٰ عن المسلمین خیر الجزاء و
افاض علیہم رحمتہ السخاء الخ
و فیہ ثم جاء اللہ تعالیٰ من بعدہم بالشیخ الاجل المحدث الاکمل
ناطق ھذہ الدورۃ و حکیمہا و فائق تلک الطبقۃ و زعیمہا الشیخ

Marfat.com

ولی اللہ بن عبد الرحیم الدھلوی المتوفی سنہ ۱۱۷۶ھ وکذا ابناؤہ الامجاد
واولادہ اولی الارشاد المشمرین لنشر ھذا العلم عن ساق الجد والاجتھاد
فعاد بہم علم الحدیث غضا طریا بعد ما کان فریا وقد نفع اللہ بہم وبعلومھم
کثیرا من عبادہ المؤمنین ونفی بسعیہم المشکور من فتن الاشراک والبدع
ومحدثات الامور فی الدین ما لیس یخاف علی احد من العالمین الخ ص۲۶

وفیہ جملۃ الکلام ان الشاہ ولی اللہ المحدث الدھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
غرس فی الھند شجرۃ علم الحدیث فاشتدت ھذہ الشجرۃ وتمکنت
وطالت اغصانھا وعلت وتشعبت قضبانھا .... وظھر بسعیہ
طائفۃ کبیرۃ اجتھدوا فی ترویج علوم الحدیث وتبلیغھا منھم
ابناؤہ الکرام الشیخ الاجل الشاہ عبد العزیز والشیخ العلامۃ الشاہ
عبد الغنی والشیخ العلامۃ الشاہ عبد القادر والشیخ العلامۃ
الشاہ رفیع الدین رحمھم اللہ تعالیٰ الخ۔

بہرحال حاضرہ کی شہادت قاطعہ ہے کہ حضرت الشاہ عبد الحق دہلویؒ کو اسکی
اولیت کا مرتبہ حاصل ہوا۔ بعد ازاں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے
خاندان کے فیوضات سے ہند و پاکستان کے قطعہ قطعہ خطہ خطہ میں علم سنت وحدیث
کے فیوضات لانہایہ جاری وساری ہوئے۔ یہ شیخ کا احسان عظیم ہے جزاہم خیر الجزاء
علامہ صدیق حسن رح نے ابجد العلوم میں لکھا ہے۔ آپ حرمین شریفین کی زیارت
سے فارغ ہوکر شیخ علامہ علی متقی کی صحبت بابرکت حاصل کئے اور ان سے علم
حدیث کی سند لئے اور وطن میں واپس آکر علوم دینیہ کی خدمت واشاعت شروع

Marfat.com

کئے، مشکواۃ المصابیح کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ سفر السعادات کی شرح لکھے الخ
یہ مضمون کے ترجمہ میں آخر کتاب میں بتفصیل مذکور ہے۔ المنہج ص۱۰۱ طبع اول)

صاحب حدائق الحنفیہ رقمطراز ہے آپ ہی ہیں جنہوں نے پہلی پہل علم حدیث کو عرب سے لاکر سرزمین ہند کو منور کیا اور اپنی تصنیفات سے علم حدیث کو ہندوستان کے ہر خطہ و قطعہ میں پھیلا دیا۔ آپ کی فضیلت و نقد حدیث میں کوئی موافق و مخالف شک نہیں کرسکتا ہے مگر جسکو اللہ تعالے نے انصاف سے اندھا کردیا الخ (المنہج طبع اول ص۱۰۲)

صاحب سبحۃ المرجان ارقام کرتے ہیں کہ سفر حجاز سے واپسی کے بعد حضرت موصوف (عبدالحق محدث دہلوی رح) علوم شرعیہ کی خدمت و اشاعت کیلئے اپنی زندگی کو وقف کردئیے خصوصاً علم حدیث کی تبلیغ قبل ازیں اُن کی طرح کسی نے نہیں کی ہند میں علوم حدیث کا رواج انہوں نے دیا ہے الخ (المنہج طبع اول ص۱۰۲)

آپ نے مشکواۃ کا فارسی ترجمہ کیا ہے اسکا نام اشعۃ اللمعات ہے، عربی میں بہترین شرح مشکواۃ کی لکھی جو اپنی ذات میں عدیم المثال ہے اس کا نام لمعات ہے۔ اس کا قلمی نسخہ کلکتہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے اور نایاب ہے۔ شرح سفر السعادات نزہۃ العلوم ونادر کتاب ہے، ونحو ذلک کثیر یہ کتابیں بسلسلہ خدمت سنت صاحب التحیت ہیں اس کی تفصیل آخر کتاب میں مذکور ہے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هو المستعان وعلیه التکلان

مقدمة مشكوٰة المصابيح

للشيخ عبد الحق المحدث الدهلوی المتوفی سنة ۱۰۵۲ھ

جمہور محدثین کی اصطلاح میں قول و فعل و تقریر نبی صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ اور تابعین پر حدیث کا اطلاق ہوتا ہے۔

تقریر کے معنی یہ ہیں کہ کسی نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی کام کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو منع نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ خاموش رہے یا اس کام کو ثابت رکھے یا تو کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی بات کہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خاموش رہے اور اپنی نکارت ظاہر نہ کئے بلکہ اس کو ثابت رکھے محدثین کی اصطلاح میں اس کو تقریر کہا جاتا ہے۔

اضافت کی حیثیت سے حدیث کی چند قسمیں ہیں جو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے اس کو **مرفوع** اور جو صحابہ رضی تک پہونچے اس کو **موقوف** اور جو تابعی تک پہونچے اُسے **مقطوع** کہتے ہیں

فائدہ مرفوع کی مثال یہ ہے کہ کوئی صحابی کہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا وکذا یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے چنانچہ مشکوٰۃ کی پہلی حدیث میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما الاعمال بالنیات الحدیث **موقوف** کی مثال یہ ہے کہ عن ابن عباس قال تدارس العلم

ساعۃ من اللیل خیر من احیائہا الحدیث یا عن علی رضؓ لا جمعۃ الا فی مصر ونحو ذلک مقطوع کی مثال یہ ہے کہ عن عکرمہ قال کذا وکذا او نحو ذلک **فائدہ** اقسام مذکورہ کی ہر ایک قسم قولی وفعلی وتقریری ہو سکتی ہے

فائدہ۔ حدیث مرفوع احکام شرع میں حجت ہے مگر موقوف کی حجیت میں اختلاف ہے، علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ قول صحابی اگر منافی سنت نہ ہو تو ہمارے نزدیک حجت ہے فخر الاسلام، شمس الائمہ رازی وغیرہم کا یہی مذہب ہے امام مالک رح احمد رح شافعی سے بھی اس کی ایک روایت ہے، علامہ قاسم بن قطلوبغا نے لکھا ہے کہ صحابی کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے اور ایسے تابعی کا قول بھی حجت ہے جو فتوی میں صحابی کی مزاحمت کرتے ہیں۔ شرح منار میں ہے کہ تقلید صحابی واجب ہے اس کے مقابلہ میں قیاس کو متروک سمجھا جائیگا۔ شافعی کے قول جدید میں ہے کہ قول صحابی حجت نہیں ہو سکتی ہے **مقطوع** حجت نہیں ہے علامہ ابن نجیم مصری نے لکھا ہے کہ تابعی کی تقلید میں ہمارے نزدیک اختلاف ہے ظاہر روایت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ ان کی تقلید صحیح نہیں کیونکہ "ھم رجال ونحن رجال" شمس الائمہ کا قول ہے کہ لا خلاف فی ان قول التابعی لیس بحجۃ، ہکذا فی شرح مختصر الجرجانی ۰

محدثین کے نزدیک حدیث و اثر کے درمیان اختلاف ہے بعضوں نے صرف مرفوع اور موقوف کو حدیث کہا ہے یعنی ان کے نزدیک حدیث کا اطلاق محض مرفوع و موقوف پر ہو سکتا ہے اور اس لفظ کا اطلاق اسکے لئے مخصوص ہے۔ کیونکہ مقطوع پر اثر کا اطلاق ہوا کرتا ہے لیکن حق یہ ہے کہ مرفوع پر بھی اثر کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ بعض ادعیہ **ماثورہ** ہیں اور یہ مسلم ہے کہ وہ ادعیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں اس اعتبار سے وہ مرفوع ہیں کیونکہ اسکی نسبت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔

اب ان ادعیہ کو ماثورہ کہنا بعینہ احادیث مرفوع پر اثر کا اطلاق کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث مرفوع پر بھی اثر کا اطلاق ہوا کرتا ہے چنانچہ ابو جعفر طحاوی حنفی نے اپنی بعض کتاب کا نام شرح معانی الآثار رکھا ہے۔ حالانکہ یہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی حدیثوں سے مشتمل ہے اگر اثر کا اطلاق مقطوع ہی پر منحصر ہوتا تو علامہ موصوف کا اپنی کتاب کا نام شرح معانی الآثار رکھنا کیونکر صحیح ہوتا؟ کیونکہ اس میں سینکڑوں مرفوع اور موقوف حدیثیں بھی ہیں۔

اسیطرح امام سخاوی نے کہا ہے کہ امام طبرانی[1] کی تہذیب الآثار نامی ایک کتاب ہے جس میں صرف مرفوع حدیثیں ہیں، اگر کہیں موقوف وغیرہ کا ذکر آ بھی آگیا تو تبعاً و تطفلاً آیا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرفوع پر اثر کا اطلاق ہوتا ہے، اور یہ اطلاق صحیح ہے

محدثین کے نزدیک مشہور ہے کہ خبر و حدیث معناً دونوں متحد ہیں، مگر بعضوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام و تابعین کے اقوال و افعال وغیرہ کو حدیث اور گذشتہ زمانہ کے حالات اور سلاطین اور ملوک کے احوال و واقعات کو خبر کہا ہے اسلئے علم کے ساتھ منہمک رہنے والے کو محدث اور علم تاریخ کے ساتھ مشغول رکھنے والے کو اخباری کہا جاتا ہے۔

فائدہ لفظ حدیث و خبر کے درمیان اہل علم کے نزدیک کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق مقدمہ میں کچھ بیان گذر چکا ہے یہاں اس کی مثالیں ہدیۂ ناظرین ہیں۔

مثلاً حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مفتاح الجنۃ الصلوٰۃ۔

---

[1] شیخنا فخر المحدثین علامہ مولانا محمد حسین سلہٹی مدظلہم نے فرمایا کہ یہ عبارت صحیح نہیں کیونکہ امام طبرانی کی کوئی کتاب تہذیب الآثار نامی نہیں ہے بلکہ تہذیب الآثار امام طبری کی کتاب ہے اس لئے یہاں صحیح عبارت یہ ہے وللطبری کتاب مسمّٰی بتہذیب الآثار ہکذا رأیتہ فی نسخۃ قلمیۃ للمعات، ۱۲ منہ

Marfat.com

ومفتاح الصلوٰۃ الطھور الحدیث اور کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد البراز انطلق حتی لا یراہ احدٌ اسکو حدیث سمجھنا چاہیئے اور منصور عباسی نے ۱۴۵ھ میں بنا بغداد کی ابتدا کی ہے یا ۱۸۶ھ میں ہارون الرشید کے ایما سے جعفر برمکی مقتول ہوا ہے یا ۶۵۶ھ میں وزیر ابن العلقمی کی شرارت سے مستعصم کا جبری طرح خاتمہ ہوا اور سلطنت عباسیہ کا کایا بدل گیا ہے اسی کو خبر کہنا چاہیئے

بیان ماسبق میں مرفوع کی تعریف گذر چکی ہے اب یاد رکھنا چاہیئے کہ اس رفع کی چند قسمیں ہیں رفع صریح، رفع حکمی، ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ حدیث کا اطلاق قول و فعل و تقریر پر ہوتا ہے، اس لئے صریحی و حکمی کے ہر ایک صورت ان کے ہر تینوں پر منقسم ہوں گے لہذا رفع کی چھ صورتیں ہونگی (۱) رفع صریح قولی (۲) رفع صریح فعلی (۳) رفع صریح تقریری (۴) رفع حکمی قولی (۵) رفع حکمی فعلی (۶) رفع حکمی تقریری۔

رفع صریح قولی یہ ہے کہ کوئی صحابہ کہے کہ میں نے سنا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الخ یا یوں کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے یا تابعی کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ انہوں نے ایسا فرمایا ہے۔

رفع صریح فعلی یہ ہے مثلاً کوئی صحابی کہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے یا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ انہوں نے ایسا کیا، یا کوئی صحابی یا تابعی سے مروی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے یا کوئی صحابی و تابعی سے مرفوعاً مروی ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔

رفع صریح تقریری مثلاً یہ ہے کہ کوئی صحابی و تابعی کہتے ہیں کہ فلاں شخص حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کام کیا ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو روکا نہیں یا تو اسکو برقرار رکھا ہے،

Marfat.com

یا راوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار و تعرض کا ذکر نہیں کرتا ہی یہ رفع صریح کی تین قسمیں ہیں

رفع حکمی قولی کی صورت یہ ہے مثلاً ایسے کوئی صحابی جو کتب مقدمہ سے ناواقف ہو (اور اسرائیلیات بھی نہیں لیتے ہوں) خبر دے رہے ہیں کہ زمانہ گذشتہ میں ایسا ہوا تھا مثلاً نوح علیہ و علی نبینا الصلوٰۃ والسلام نے یہ کام کیا ہے یا آئندہ کیا ہی یا آئندہ ایسا ہونیوالا ہے مثلاً فلاں وقت مہدیؑ ظاہر ہوں گے یا فتنہ برپا ہوگا یا قیامت کے دن ایسا ہونے والا ہے یا فلاں کام سے یہ ثواب ہوگا یا یہ عذاب ہوگا۔ کیونکہ یہ باتیں اجتہادی نہیں ہیں۔ کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اجتہاد کرکے یہ باتیں کہہ سکے، اس لئے اس کو رفع حکمی قولی کہا جاتا ہی کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر کسی کی مجال نہیں کہ یہ سب باتیں اپنی طرف سے کہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر اسکی خبر نہیں دیتے ہیں، اسلئے ظاہر ہے کہ مخبر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنکر ہی خبر دے رہے ہیں۔ اسلئے اس حدیث کو رفع حکمی قولی کہی جائیگی

رفع حکمی فعلی کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کوئی صحابی ایسا کام کرے جسمیں اجتہاد کی مطلقاً گنجائش نہیں، یا صحابی کا یہ کہنا کہ من السنۃ کذا یعنی سنت یہ ہے کیونکہ سنت سے سنت نبوی ہی متبادر ہے، گو بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ سنت کہنے سے سنت صحابہ و سنت خلفائے راشدین بھی سمجھی جاتی ہیں اس کو رفع حکمی فعلی کہا جاتا ہے۔

فائدہ۔ علامہ ابن صلاح نے لکھا ہے کہ اگر کوئی بلا تقیید کہے کہ من السنۃ کذا تو یہ رفع کی ایک حجت اور اتصال کی ایک علامت ہے، اکثر علماء کا یہی مذہب ہی حتیٰ کہ حاکم اور بیہقی نے لکھا ہے کہ اہل نقل کا اس پر اتفاق بھی ہی۔ علامہ ابن عبد البر کا ارقام ہے کہ اس پر اجماع ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ بلا قید اگر من السنۃ کذا کہے تو بظاہر معلوم ہوتا

ہے کہ سنت سے یہاں سنت نبویہ مراد ہے اور سالم بن عبداللہ نے صحابۂ کرام سے بیان لایا ہے کہ وہ لوگ جب اس کلمہ کا اطلاق کرتے ہیں تو سنت صاحب الشرع علیہ التحیۃ والسلام مراد لیتے ہیں، یہ تو محدثین کا مذہب ہے فقہا کے درمیان اسمیں اختلاف ہے کیونکہ صدر اول میں لفظ سنت کا اطلاق سنت صحابہ پر بھی ہوا ہے جیسا کہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین اس کی دلیل ہے، ظفر)

رفع حکمی تقریری اگر کوئی صحابی بیان کرے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا کام کیا ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار و تعرض کا ذکر نہ کرے تو اسکو رفع حکمی تقریری کہا جاتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے آگاہ تھے یا اس کے متعلق وحی نازل ہوئی ہے۔

فائدہ۔ شیخ عبدالحی رحمہ نے ظفر الامانی میں لکھا ہے کہ اس مقام میں چار الفاظ محدثین کے نزدیک مشہور ہیں، سنت، حدیث، خبر و اثر۔ قیل، ماجاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعن الصحابی والتابعی کو حدیث کہتا ہے۔ اسکے غیر کو خبر پس حدیث و خبر کے درمیان نسبت تباین کلی ہے۔ قیل۔ ان دونوں کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے اور خبر عام ہے حق یہ ہے کہ دونوں مرادف ہیں واضح ہو کہ حدیث کی تفسیر میں اختلاف ہے شیخ علیہ الرحمۃ نے مقدمہ میں جو بیان دیا ہے اس بنا پر حدیث سنت کی مرادف ہے لیکن بعضوں نے قول و فعل و تقریر کیساتھ صفت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بعضوں نے حرکات و سکنات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیث کی تفسیر میں زیادہ کیا ہے۔ اس بنا پر حدیث سنت سے عام ہے علامہ ابن ملک نے شرح منار میں ذکر کیا ہے کہ قول و فعل و سکوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم و طریقت صحابہ پر سنت کا اطلاق ہوتا ہے اور حدیث و خبر اول کیساتھ

مختص ہیں، اس بنا پر حدیث سنت سے اخص ہے اور اثر کے متعلق قوم کے متعدد اصطلاحات مذکور ہیں۔

فصل السند هو طريق الحديث الخ

طریق حدیث ہی سند ہے یعنی جن لوگوں نے حدیث کی روایت کی ہے ان کا سلسلہ ہی سند ہے اور کبھی اسناد معنی میں سند کے بھی آتا ہے اور کبھی اسناد کے معنی ذکر سند کے بھی ہوتے ہیں اور جس پر سلسلہ اسناد ختم ہوتا ہے اس کو متن کہتا ہے، اگر سند حدیث سے یعنی رواۃ حدیث کے سلسلہ سے کوئی راوی نہ گرے تو اس کو متصل کہتا ہے اور اس عدم سقوط کو اتصال کہا جاتا ہے اور اگر کوئی راوی ساقط ہو جاوے تو اس کو منقطع اور سقوط کو انقطاع کہتا ہے، اگر یہ سقوط اول سند سے ہو تو اس کو معلق اور اس سقوط کو تعلیق کہا جاتا ہے

(فائدہ) اس قول کو اسطرح ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ ابوداؤد نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ حدثنا احمد بن حنبل قال حدثنا سفیان عن الزہری عن سالم عن ابن عمر قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استفتح الصلوۃ رفع یدیہ حتی یحاذی منکبیہ واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع راسہ من الرکوع الحدیث۔

اس حدیث میں احمد بن حنبل کے نام سے ابن عمر رضی اللہ عنہ تک راویوں کا جو سلسلہ ہے اس کو حدیث کی سند، اور "رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" سے "من الرکوع الحدیث" تک جتنے الفاظ ہیں اسکو متن کہا جائے گا اور چونکہ اس حدیث کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچی ہے اور کوئی راوی سلسلہ سند سے ساقط نہیں ہوا ہے اسلئے اس کو متصل کہا جائیگا اگر احمد بن حنبل رح کے بعد اس سند سے کوئی ایک یا زیادہ راوی ساقط ہوتے مثلاً سفیان اور زہری کے نام یا صرف امام زہری کا نام ذکر نہ کیا

جاتا تو اس کو منقطع کہا جاتا، اسیطرح اگر ابوداؤدؒ اپنے مروی عنہ احمد بن حنبلؒ کے نام نہ ذکر کرکے سفیان کے نام سے سند پیش کرتے تو اسکو معلق کہا جاتا، اسیطرح اگر سالم ابن عمرؓ کے نام کو ترک کرکے اس حدیث کی روایت کرتے تو اس کو مرسل کہا جاتا)

اور ساقط راوی کبھی ایک بھی ہوتا ہے اور کبھی زیادہ اور کبھی تو پوری سند ہی سر سے حذف کردی جاتی ہے چنانچہ یہ قریب قریب مصنفین کی عادت مستمرہ ہے وہ لوگ کہتے ہیں کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یہ بھی تعلیق ہے) اور بخاری کے تراجم ابواب میں بہت سارے تعلیقات موجود ہیں اور اس کے لئے اتصال کا حکم ہے یعنی گو وہ تعلیق ہی ہے مگر اتصال کا حکم رکھتا ہے کیونکہ امام بخاری نے یہ التزام کیا ہے کہ بجز صحیح کے اپنی کتاب صحیح البخاری میں کوئی حدیث درج نہیں کرینگے لیکن وہ تعلیقات حکماً ان کے مسانید کے برابر نہیں ہو سکتے ہیں مگر وہ حدیث جو ایک سند کے ساتھ بیان کی گئی ہے (وہ سند اتصال کے حکم میں ہے)

امام بخاری کے تعلیقات میں کبھی اسطرح فرق کیا جاتا ہے کہ جو حدیث صیغہ جزم و معلوم کیساتھ بیان کی جاتی ہے مثلاً قال فلان یا ذکر فلان کہہ کر حدیث کی روایت کی ہے تو یہ اس حدیث کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے یعنی صیغہ جزم کیساتھ بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس حدیث کا اسناد ثابت ہے وہ قطعاً صحیح ہے اور جسکو صیغہ تمریض و مجہول کیساتھ ذکر کرتے ہیں یعنی قیل یا یقال کہہ کر بیان کرتے ہیں تو اس کی صحت میں ان کے نزدیک کلام ہے لیکن جب امام بخاری اس حدیث کو اپنی کتاب میں لایا ہے تو وہ بھی ثابت الاصل ہے اس سبب سے علماء نے کہا ہے کہ تعلیقات بخاری متصل اور صحیح ہیں۔

Marfat.com

فائدہ بیان ماسبق سے ناظرین کے خیال میں ایک اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ امام بخاریؒ نے صحت کا التزام کیا ہے چنانچہ شیخ علیہ الرحمۃ کے قول "لا یاتی الا بالصحیح" سے یہ بات سمجھی جاتی ہے لیکن شیخ کا قول "ما ذکرہ بصیغۃ التمریض والمجہول ... ففی صحتہ عندہ کلام" اس کا معارض ہے؟ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ لا یاتی الا بالصحیح سے ماساق اسنادہ مراد ہے یعنی جن احادیث کی سند بیان کی گئی ہے ایسی حدیثیں بجز صحیح کے نہیں لائینگے اور محذوف الاسناد مسکوت عنہ ہے اسلئے اگر وہ ضعیف بھی ہو تو فلا کلام فیہ۔ کذا ذکرہ النووی)

فائدہ بیان مذکور سے معلوم ہوا ہے کہ تعلیق کی دو صورتیں ہیں **اول** ابتدائے سند سے راوی کا نام حذف کر دینا خواہ ایک ہو یا زیادہ **ثانی** بتمامہ سند کو حذف کر دینا لیکن قولہ ما ذکرہ بصیغۃ الجزم والمعلوم کقولہ قال لی فلان ونحو ذلک سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تعلیق کی اور ایک صورت بھی ہے چنانچہ علامہ ابن صلاح نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ مجھ کو معلوم ہوا کہ اہل مغرب کے بعض متاخرین نے تعلیق کی ایک اور صورت بتائی ہے اور بخاریؒ کے قول قال لی فلان ونحو ذلک کو اسی قسم کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کو من حیث الظاہر تعلیق متصل اور من حیث المعنی تعلیق منفصل کر کے موسوم کیا ہے اور کہا ہے کہ تم جب دیکھتے ہو کہ بخاری کہتے ہیں قال لی وقال لنا تو سمجھو کہ وہ ایسے ایک اسناد ہے جو احتجاج کیلئے بیان کیا گیا ہے بلکہ صرف استشہاد کے لئے بیان کیا گیا ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ محض ایک ادعا اور مخالفت متقدمین ہے علامہ نیساپوری نے کہا ہے کہ بخاری کا قول قال لی فلان عرض ومناولہ ہے

فائدہ واضح ہو کہ منقطع اور معضل کے درمیان تباین کی نسبت ہے اور معضل

Marfat.com

معلق کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے کما ذکرہ فی شرح مختصر الجرجانی)

فائدہ۔ واضح ہو کہ شرح مختصر الجرجانی کے مؤلف شیخ عبد الحی لکھنوی رح کے مفصل حالات اور ان کی تصانیف کی فہرست میری "کتاب الاملاء فی قوانین الانشاء" میں مذکور ہیں جن کو شوق ہو دیکھ لیں)

اگر سند کے اخیر سے کوئی راوی گر جائے اگر وہ تابعی کے بعد ہو تو اسکو مرسل اور اس فعل کو ارسال کہا جاتا ہے مثلاً کوئی تابعی کہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ مرسل ہے اس سے معلوم ہوا کہ مرسل اور منقطع جداگانہ شئے ہیں محدثین میں یہی اصطلاح مشہور ہے لیکن بعضوں کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی شئے ہیں (کما ہو رای الفقہاء ایضاً)

جمہور علماء کے نزدیک مرسل کا حکم توقف ہے کیونکہ معلوم نہیں کہ جو راوی ساقط ہے وہ ثقہ تھے یا نہیں۔ کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تابعی بعض دوسرے تابعی سے روایت کرتے ہیں۔ اور تابعین میں ثقہ وغیر ثقہ ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اسلئے ممکن ہے کہ ساقط راوی غیر ثقہ ہو)

لیکن امام اعظم رح اور مالک رح کے نزدیک مطلقاً مرسل مقبول ہے، انکا یہ خیال ہے کہ ساقط راوی ضرور ثقہ ہوگا، اور کمال وثوق واعتماد کی وجہ سے اس کو ساقط کر دیا گیا ورنہ اگر وہ متکلم فیہ ہوتا اور ثقہ نہ ہوتا تو اس کو ساقط نہیں کیا جاتا، اسلئے معلوم ہوا کہ وہ ثقہ تھا ورنہ ارسال کر کے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ دیتے امام شافعی رح کہتے ہیں کہ اگر مرسل کو کسی دوسرے مسند یا مرسل سے مدد ملے خواہ وہ ضعیف ہی ہو تو اس کو قبول کیا جائے گا اور امام احمد رح سے اس باب میں دو قول مروی ہیں (یعنی ایک قول تو یہ ہے کہ مرسل مقبول ہے اور دوسرا قول کہ مرسل غیر مقبول ہے)

مگر یہ سب اختلافات اس وقت ہیں کہ جب یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس تابعی کی

عادت ہے کہ وہ غیر ثقہ سے ارسال نہیں کرتا ہے اگر ثقہ وغیر ثقہ قوی ضعیف اور رطب ویابس میں تمیز کرنے کی عادت ان کی نہ ہو تو بالاتفاق اس کا حکم توقف ہے اس مقام پر مزید تفصیل کی ضرورت ہے جسکو علامہ سخاوی رح نے شرح الفیہ میں ذکر کیا ہے۔

فائدہ واضح ہو کہ علامہ سخاوی نے شرح الفیہ میں لکھا ہے کہ بعضوں نے کہا ہے کہ "المرسل مقبول عند الجمہور" اس سے مراد یہ ہے کہ مو الیک اور احناف کے جمہور کے نزدیک مرسل مقبول ہے۔ ہاں امام احمد رح سے بھی قبول مرسل کی ایک روایت ہے جس کو امام نووی اور ابن القیم نے نقل کی ہے لیکن وہ غریب ہے اور محدثین کی ایک جماعت نے بھی مرسل کو قبول کیا ہے۔ ابو داؤد نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ اسلاف کے اکثر علما مثلاً سفیان ثوری، مالک، اوزاعی کے نزدیک مرسل مقبول تھا لیکن امام شافعی نے سب سے پہلے اس کی تردید کی، بعد ازاں احمد حنبل رح وغیرہ نے ان کی تبعیت کی مگر ابو داؤد کا یہ قول غلط ہے کیونکہ پہلے پہل جنہوں نے مرسل کو ترک کیا وہ یحییٰ بن القطان ابن مہدی وغیرہم ہیں جو امام شافعی رح کے قبل کے تھے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ امام شافعی رح نے اسمیں مزید تحقیق کی۔ امام نووی رح نے شرح المہذب میں لکھا ہے کہ ہمارے (شافعیہ نزدیک اور جمہور محدثین وبعض فقہا و اصولیین کے نزدیک مرسل سے احتجاج کرنا صحیح نہیں ہے بعضوں نے قبول مرسل پر تابعین کا اجماع ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن بیان سابق سے معلوم ہوا کہ وہ عند[illegible] باطل ہے علامہ شیخ عبد الحی نے ظفر الامانی میں لکھا ہے کہ ابن جریر الطبری اور ابن حاجب کا ادعا ہے کہ قبول مرسل پر تا[illegible]ین کا اجماع ہوا ہے مگر بعضوں نے اس کی تردید بھی کی ہے کیونکہ امام زہری رح، ابن سیرین، سعید بن المسیب سے منقول ہے کہ مرسل سے احتجاج صحیح نہیں اور بلاشبہ یہ لوگ تابعین میں سے تھے اس سے خرق اجماع لازم آگیا ہاں اگر

Marfat.com

اجماع نہ کہکر اتفاق جمہور تابعین کہا جاتا تو اس دعوی کی صحت کی کوئی صورت بنجاتی، فتح المغیث میں ہے کہ بعضوں نے عدم قبول مرسل پر اتنا تشدد کیا کہ مراسیل صحابہ کو بھی قبول کرنا ناجائز سمجھا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ علامہ عبدالحی نے ظفر الامانی میں لکھا ہے کہ اس باب میں نو اقوال مروی ہیں۔ الاول مطلقاً مرسل مقبول نہیں اور اس سے احتجاج صحیح نہیں گو مرسل صحابی کیوں نہو الثانی مطلقاً مقبول وحجت ہے گو قرون ثلثہ کے بعد کے ہو اور مرسل ثقہ بھی نہو الثالث مرسل قرون ثلثہ مشہودہ مقبول ہے والرابع مرسل ثقہ مقبول وحجت ہے الخامس صحابہ کے مراسیل اور تابعین میں سے سعید بن المسیب کے مراسیل مقبول ہیں۔ والسادس اگر کوئی دوسری روایت سے اسکی تقویت ہو مقبول ہے ورنہ نہیں۔ والسابع کبار تابعین کے مراسیل مقبول ہیں الثامن مرسل مسند سے اقوی ہے والتاسع مطلقاً مراسیل صحابہ حجت ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ عند الاعتضاد مرسل سے احتجاج کرنا کوئی ضروری اور واجب نہیں ہاں یہ امر ندبی ہے۔ تب یہ دسواں قول ہوا پھر بعضوں نے کہا ہے کہ اس باب میں اگر بجز مرسل کے کوئی حدیث نہو تو مقبول ہے۔ فہذا قول حادی عشر۔ مخفی نہ ہے کہ ان اقوال میں مراسیل صحابہ و مراسیل ثقات تابعین کا مقبول ہونا اقوی ہے۔ والاحتیاط ما قالہ الشافعی)

اگر درمیان سند سے متوالیاً دو راوی ساقط ہوں تو اس سند کا نام مُعضل ہے

(فائدہ) واضح ہو کہ مُعضل و معلق کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے بعضوں نے اس حدیث کو بھی معضل کہا ہے جسکے معنی مشکل و معلق ہوں کما ذکرہ الحافظ ابن الحجر)

اگر ساقط راوی ایک ہو یا زیادہ اور موضع واحد سے نہ ہو تو اس کو منقطع کہا جاتا ہے اس تقسیم کی بنا پر منقطع غیر متصل کے قسم ہوگا اور کبھی منقطع کا اطلاق مطلقاً غیر متصل

Marfat.com

پر ہوتا ہے جو تمام اقسام کا جامع ہے اس معنی پر منقطع مقسم ہوگا

راوی اور مروی عنہ کے عدم ملاقات سے انقطاع و سقوط راوی کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور وہ عدم ملاقات عدم معاصرت یا عدم اجتماع بھی ہو سکتی ہے اور اس کو جاننے کیلئے موالید و وفیات و مساکن و مراحل کا علم ضروری ہے یعنی یہ کب پیدا ہوا اور کب مرا یا اس نے فلاں شہر کا سفر کیا ہے۔ اس وقت فلاں جگہ میں مقیم تھا یا راوی کو مروی عنہ سے اجازت نہیں۔ ان امور کو جاننے کے بغیر انقطاع کو پہچاننا مشکل ہے اس لئے جب تک علم تاریخ کی کافی واقفیت نہ ہوگی اسوقت تک سقوط راوی کو جاننا مشکل و دشوار ہے اسلئے محدثین کے نزدیک علم تاریخ عمدہ و اشرف علوم ہے،

فائدہ واضح ہو کہ علامہ عبدالحیؒ نے ظفر الامانی میں لکھا ہے کہ منقطع کی تفسیر اور اسکے مواقع استعمال میں محدثین کا اختلاف ہے۔ حاکم نیساپوری نے اس کو اس معنی میں استعمال کیا ہے جہاں راوی مبہم ہے کعن رجل ونحوہ خطیب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں اتصال سند نہ ہو خواہ وہ کسی وجہ سے ہو اس کو منقطع کہا جائے گا لغت کے اعتبار سے یہی معنی اقرب ہیں کیونکہ انقطاع ضد اتصال ہے فقہاء و محدثین کے نزدیک زیادہ تر جو معنی مستعمل ہیں وہ یہ کہ سند سے صرف ایک راوی غیر صحابی ساقط ہو اس معنی کر کے منقطع مرسل و معضل کا مقابل ہے اور کبھی درمیان سند سے ایک راوی گر جانے سے بھی اس کو منقطع کہا جاتا ہے اور بعضوں کی تفسیر کے مطابق منقطع کی تعریف میں مرسل اور معلق و معضل بھی داخل ہو جاتے ہیں، بہرکیف انقطاع کبھی ظاہر ہوتا ہے چنانچہ عدم لقاء و عدم معاصرت سے وہ معلوم ہو جاتا ہے اور کبھی خفی ہوتا ہے جس کو اہل معرفت و ارباب بصیرت کے اس کو کوئی پہچان نہیں سکتا ہے۔

Marfat.com

مُدَلَّس بضم میم وفتح لام مشدده یہ منقطع کی ایک قسم ہے اس فعل کا نام تدلیس ہے اور فاعل مدلس بکسر اللام ہے اسکی صورت یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ مروی عنہ کا نام ترک کر کے اسکے اوپر کے راوی کا نام ذکر کرے جس سے بظاہر وہم ہو کہ حدیث مذکور کو اس نے اس شیخ سے سنی مثلاً کہا جاتا ہے کہ حدثنا فلان عن فلان وقال فلان یہ تدلیس کی صورتیں ہیں لغتاً تدلیس کے معنی بیع میں عیب کا چھپانا، بعضوں نے کہا ہے کہ تدلیس دلس سے مشتق ہے اور دلس کے معنی اختلاط ظلمت ہیں، چونکہ فی الجملہ سند میں پوشیدگی موجود ہے کہ راوی اپنے شیخ کا نام پوشیدہ کرتا ہے اس لئے اس کو تدلیس کرکے نام رکھا جاتا ہے۔

فائدہ ابن صلاح نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ تدلیس کی دو قسمیں ہیں ایک تو تدلیس اسناد ہے وھوان یروی عمن لقیہ منہ موہما الخ ثانی تدلیس الشیخ وھوان یروی عن شیخ حدیثا سمعہ منہ فیسمیہ اویکنیہ الخ علامہ عبد الحی نے شرح مختصر الجرجانی میں لکھا ہے کہ تدلیس کے چند قسمیں ہیں، تدلیس اسناد، تدلیس متن جو ادراج میں شامل ہیں اور تدلیس شیوخ، پھر تدلیس اسناد کی بھی سات قسمیں ہیں بخوف طوالت انکو قلم انداز کر دیئے گئے۔ علامہ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ تدلیس کے چند اقسام ہیں اول کسی خاص غرض سے راوی اپنے شیخ کے نام چھوڑ کر شیخ الشیخ سے روایت کرے، ثانی تدلیس تسویہ وہ یہ ہے کہ اسناد سے ضعیف راویوں کو حذف کر کے اپنے ثقہ راویوں سے حدیث کی روایت کرے جیسا کہ ولید بن مسلم نے اوزاعی سے تدلیس کی تھی، ثالث اگر راوی کے شیخ کا نام اور کنیت دونوں ہوں اس تقدیر پر اگر وہ اپنے نام سے مشہور ہو تو اس کی غیر مشہور کنیت سے روایت کرے یا اگر شیخ کی کنیت مشہور ہو تو اس کا غیر مشہور نام لیکر حدیث بیان کرے اس قسم کی تدلیس سے عدالت تو ساقط نہیں ہوتی ہے لیکن پھر بھی بہتر ہے کہ اس کو ترک کرے

مگر پہلی اور دوسری صورتیں محدثین کے نزدیک سخت معیوب ہیں)

تدلیس کا حکم یہ ہے کہ جس سے تدلیس ثابت ہوئی اگر وہ حدیث بیان کرنے کے وقت اس کی تصریح نہ کردے تو اس شخص کی حدیث نہ لی جائے گی امام شمنی نے کہا ہے کہ تمام ائمہ کے نزدیک تدلیس حرام ہے (شرح مختصر جرجانی میں ہے کہ التدلیس اشد من الزنا وکیع سے مروی ہے کہ تدلیس ثوب یعنی کپڑے کے عیب کو جب چھپانا ناجائز ہے تو تدلیس حدیث کیونکر جائز ہو سکتی ہے شعبہ نے تدلیس کی بے انتہا مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ تدلیس حرام ہے اور مدلس ساقط العدالت ہے) اور علما میں مدلس کی روایت قبول کرنے میں سخت اختلاف ہے۔

(۱) بعض اہل حدیث و اہل فقہ کے مسلک یہ ہے کہ تدلیس جرح ہے اور جس راوی میں یہ عیب پایا جائے گا اس کی حدیث مطلقاً نہیں لی جائے گی۔

(۲) اور بعض کہتے ہیں کہ اس راوی کی حدیث لی جائے گی (۳) جمہور کا یہ مذہب ہے کہ اس مدلس کی حدیث لی جائے گی جو کہ بجز ثقہ کے کسی سے تدلیس نہیں کرتا ہے چنانچہ تدلیس ابن عیینہ جو کہ ثقات ہی سے تدلیس کیا کرتا تھا اس اصول کے مطابق انکی تدلیس مقبول ہے، اور جو شخص صحیح و سقیم اور ثقہ و ضعیف کے درمیان تمیز نہیں کرتا ہے تو وہ ساقط الاعتبار ہے، مگر ایسے آدمی اگر سمعت یا حدثنا و اخبرنا کہہ کر سماع کی تصریح کردے تو اس کی حدیث لی جائیگی، تدلیس کرنے کا سبب یہ ہے کہ بعض لوگ اپنی فاسد غرضوں سے تدلیس کیا کرتے ہیں مثلاً شیخ کمسن ہے بوجہ ننگ و عار ان سے اپنے سماع کو پوشیدہ کرتا ہے یا شیخ کی عدم مرتبت اور عدم جاہ و شہرت کی وجہ سے ان کو ذکر کرنے سے شرماتا ہے ہاں بعض اکابر سے جو تدلیس ثابت ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے

زیادت وثوق وکمال ضبط ورع نے ان کا نام ذکر کرنے سے مستغنی کر دیا کیونکہ ان کا نام نہ لینے سے بھی اس حدیث کو ہر کوئی بے تفکر قبول کرے گا۔ اس لئے وہ تدلیس کیا کرتے تھے[ھ] امام شمنی نے کہا ہے کہ اکابر نے اس وجہ سے تدلیس کی ہے۔ کہ انھوں نے چند ثقات سے یہ حدیث سنی ہے اُن میں سے کسی ایک کا ذکر کرنا ہی کافی سمجھا اور دیگر شیوخ کا ذکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ جیسا کہ مرسل میں ہوا کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بجز تدلیس، اکابر کے باقی سب موجب طعن ہیں۔

فائدہ واضح ہو کہ خبر مدلس کی طرح مرسل خفی بھی مقبول نہیں ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت دقیق فرق ہے۔ کما نصّ بہ الشیخ ابن الصلاح فی النوع الثامن والثلثین من المقدمۃ شیخ ابن حجر نے شرح نخبہ میں لکھا ہے کہ اگر ایسے معاصر سے روایت کرے جس سے لقا ثابت نہیں تو اسکو مرسل خفی کہتے ہیں اور جن لوگوں نے تدلیس کی تعریف میں معاصرت کو داخل کر دیا اُنھوں نے مرسل خفی کو تدلیس میں داخل کر دیا ہے حالانکہ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ تدلیس میں اپنے مروی عنہ سے مدلس کی ملاقات ہوتی ہے بخلاف مرسل خفی کے کہ اسمیں ارسال کرنیوالا اگرچہ اپنے مروی عنہ کا معاصر ہے مگر انمیں ملاقات معروف نہیں ہوتی ہے۔ باقی جس شخص نے یوں کہا کہ تدلیس میں ملاقات شرط نہیں، صرف معاصرت کافی ہے تو اس نے دونوں میں مساوات ثابت کر دی۔ حالانکہ ان دونوں میں مغائرت ہے۔ اس دعوے پر کہ (تدلیس کیلئے صرف معاصرت کافی نہیں بلکہ ملاقات بھی شرط ہے) بین دلیل موجود ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اہل حدیث کا اتفاق ہے کہ ابو عثمان نہدی، قیس ابن حازم وغیرہ مخضرمین کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

ھ یا حدیث مذکور کا سماع بہت سے ثقات سے حاصل ہے اسلئے ان نے کسی کا ذکر کافی سمجھا۔

Marfat.com

روایت کرنا یہ تدلیس نہیں بلکہ ارسال خفی ہے۔ اگر تدلیس کا مدار معاصرت ہی پر ہوتا تو یہ لوگ بھی مدلس ثابت ہوتے۔ کیونکہ یہ لوگ حضور سید دو کائنات صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کے معاصر تو تھے مگر آپ سے ملاقات بھی تھی یا نہیں، یہ معلوم نہیں ہے

امام شافعی وغیرہ کہتے ہیں کہ تدلیس میں ملاقات شرط ہے خطیب بغدادی کا قول جو کفایہ میں ہے وہ بھی اسی کا مقتضی ہے۔ اور قابل اعتماد بھی یہی ہے۔ کذا فی الظفر۔ مروی عنہ سے راوی کی عدم ملاقات دو طریقہ سے معلوم کیجاتی ہے۔ اول خود راوی کی تصریح یعنے راوی اگر تصریح کردے کہ مروی عنہ سے اس کی ملاقات ثابت نہیں ہے۔ دوم کوئی امام فن اسکی تصریح کردے لیکن اگر کسی دوسری سند میں اس راوی اور مروی عنہ کے درمیان متعدد رواۃ مذکور ہوں تو اس سے تدلیس ثابت نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ اسمیں یہ احتمال ہے کہ اس سند میں یہ راوی زائد ہو اس بنا پر چونکہ اس صورت میں احتمال اتصال اور احتمال انقطاع دونوں ہیں۔ اس لئے اس پر تدلیس کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ ہے،)

اگر سند یا متن میں تقدیم و تاخیر ہو، یا زیادتی و نقصان ہو، یا ایک راوی کی جگہ میں دوسرے کو ذکر کیا جاوے یا متن میں ایک لفظ کی بجائے دوسرا لفظ ذکر کیا جائے، یا سند یا متن میں تصحیف ہو، یا اختصار و اطناب یا حذف و ثبت وغیرہ میں اختلاف ہو تو محدثین اس کو مضطرب کہتے ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں توفیق ممکن ہو تو وہ مقبول ہے ورنہ توقف کیا جائے گا۔

فائدہ - واضح ہو کہ شیخ ابن الصلاح نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اضطراب کی مثال یہ ہے کہ عن اسماعیل بن امیۃ عن ابی عمرو بن محمد

Marfat.com

ابن حریث عن ابی هریرة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فی المصلی اذا لم یجد عصًا ینصبها بین یدی المصلی فلیخط خطًا فرواه لبشر بن المفضل وروح بن القاسم عن اسماعیل هکذا

لیکن سفیان الثوری نے اس حدیث کو عن ابی عمرو بن محمد عن ابیه عن ابی هریرة کی سند سے اور احمد بن اسود نے اس کو عن اسماعیل عن ابی عمرو بن محمد بن حریث بن سلیم عن ابیه عن ابی هریرة کی سند سے روایت کی ہے، بعض سند کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ ابی عمرو ابی ہریرة سے روایت کرتا ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ابی عمرو کے دادا ابو ہریرة سے روایت کرنے والا ہے۔ اس لئے اس کو اضطراب (فی الاسناد) کہا جاتا ہے۔

و (منه) حدیث القلتین متنًا وسندًا کیونکہ بعض روایت میں ہے اذا کان الماء قلتین کذا فی بلوغ المرام للحافظ ابن الحجر اور بعض روایت میں ہے اذا بلغ الماء قلتین الحدیث اور بعض روایت میں لم ینجس ہو اور بعض روایت میں اذا بلغ الماء اربعین قلة شیخ الاسلام تقی الدین ابن دقیق العید نے الامام[1] فی معرفة الاحکام" میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے اور تین طرح اس میں اضطراب ثابت کر کے اسکے ضعف کیطرف اشارہ کر دیا ہے یعنے بحیثیت سند، باعتبار متن، باعتبار معنی ولفظ یہ مضطرب ہے، علاوہ ازیں اس حدیث میں اضطراب معنوی بھی ہے کیونکہ لفظ قلة مشترک ہے (راس الجبل وجرة وقوبة میں) اس وجہ سے ابن عبد البر ابن العربی، ابن تیمیہ وغیرہ نے۔

---

[1] یہ کتاب کلکتہ امپیریل لائبریری میں موجود ہے ۱۲ منہ

اس حدیث کی تضعیف کی ہے

واضح ہو کہ ایک راوی کی جگہ میں دوسرے راوی کا ذکر کرنا، یا متن وسند کو بدل دینا، یا ایک لفظ کو دوسرے لفظ یا ایک جملہ کو دوسرے جملہ کی جگہ میں ذکر کرنا گو مصنف رح نے اس کو اضطراب کہا ہے لیکن درحقیقت اسکو مقلوب کہا جاتا ہے چنانچہ شرح مختصر جرجانی میں ہے المقلوب ھو الحدیث الذی فی متنہ اوسندہ تغییر بابدال لفظ او جملۃ باخر بتقدیم او تاخیر الخ مقلوب دو قسم کے ہیں مقلوب متن۔ ومقلوب سند، مقلوب متن کی مثال یہ ہے کہ اذا سجد احدکم فلا یبرك کما یبرك البعیر ولیضع یدیہ قبل رکبتیہ اخرجہ الترمذی وقال غریب اور ابن ماجہ اور نسائی نے ولیضع الخ کو نہیں لیا۔ اس حدیث کا راوی ابوہریرۃ ہے) اور طحاوی نے ابوہریرۃ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ اذا سجد احدکم فلیبد أبرکبتیہ قبل یدیہ ویبرك بروك الجمل ابوداؤد میں ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد بد أبرکبتیہ قبل یدیہ۔

علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ ان حدیث ابی ھریرۃ الذی استند بہ مالك وغیرہ انقلب علی بعض رواتہ فکان الاصل ولیضع یدیہ قبل رکبتیہ۔ فقدم احد رواتہ ذکر الرکبتین علی الیدین۔ و (منہ) حدیث ابن عمرؓ ارتقیت فوق بیت حفصۃؓ فرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستدبر القبلۃ ومستقبل الشام اخرجہ البخاری واخرج ابن حبان بلفظ مستقبل القبلۃ ومستدبر

Marfat.com

الشام، یعنی اس حدیث میں بعض رواۃ سے قلب ہوا ہے۔

وحکمہ اگر قلب سہواً ہو تو معفو ہے ورنہ اس کو وضع کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔ ھٰکذا اقال العلامۃ عبد الحی فی ظفر الامانی۔

اور مقلوب سندی وہ ہے کہ جو حدیث ..... سالم عن نافع عن ابن عمر کی سند سے روایت کیگئی ہے اس کو عن نافع عن سالم عن ابن عمر کی سند سے روایت کرنا۔ یا مثلاً مرۃ بن کعب کی جگہ میں کعب بن مرۃ، ولید بن مسلم کے بجائے مسلم بن ولید کہنا اس کو بھی مقلوب سندی کہا جاتا ہے۔ ایک حدیث کی سند سے دوسری حدیث کے روایت کرنے کو بھی مقلوب سندی کہا جاتا ہے، کذا فی شرح مختصر الجرجانی انتہی۔

فائدہ۔ واضح ہو کہ متن یا سند حدیث میں اگر کسی طرح کا تغیر ہو تو وہ تصحیف ہے۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ تصحیف دو قسم کے ہیں۔ اگر نقطہ میں تغیر ہو تو وہ مصحف ہے، اگر شکل میں تغیر ہو مگر حروف اپنے حال پر رہیں تو وہ محرف ہے، کذا فی شرح نخبۃ، علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ تصحیف سند میں بھی ہو سکتی ہے مثلاً العوام بن مراجم بالراء والجیم اسمیں علامہ ابن معین نے تصحیف کر دی اور کہا العوام بن مزاحم بالزاء والحاء تصحیف متن میں بھی ہو سکتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ زید بن ثابت کی حدیث میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم احتجر (بالراء) فی المسجد لیکن ابن لہیعۃ (ضعیف) نے تصحیف کر کے کہا احتجم (بالمیم) فی المسجد اسی طرح ستاً من شوال میں صولی نے شیئاً من شوال کہا ہے، اسی کا نام تصحیف ہے۔ کذا فی التدریب)۔

راوی نے اگر کسی غرض سے صحابی یا اور کوئی راوی کا کلام متن میں داخل کر دیا ہے مثلاً کوئی لفظ کی تفسیر کر دی یا معنے بتلا دیے۔ یا مطلق کو مقید پر یا بالعکس حمل کر دیا تو اس کو مدرج فی الروایۃ کہا جاتا ہے

(فائدہ۔ واضح ہو کہ امام سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ مدرج کی چند صورتیں ہیں۔ اوّل مدرج اولی یعنے ابتدا سے مدرج ہو مثلاً عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسبغوا الوضوء ویل للاعقاب من النار بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اسبغوا کلام نبویؐ ہے درحقیقت وہ کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے۔ بلکہ ابوہریرۃ کا کلام ہے۔ دوم مدرج وسط یعنی درمیان حدیث میں مدرج ہونا مثلاً حدیث بسرۃ من مس ذکرہ او رفعیہ او انثییہ فلیتوضأ۔ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ رفعیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ درحقیقت وہ عروہ کا (جو اس حدیث کے راوی ہیں) کلام ہے۔ سوم مدرج آخر یعنی اخیر حدیث میں ادراج ہونا مثلاً صاحب ہدایہ نے بیان فرائض الصلوٰۃ میں کہا ہے۔ القعدۃ فی آخر الصلوٰۃ مقدار التشہد لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لابن مسعودؓ حین علمہ التشہد اذا قلت ھذا او فعلت ھذا فقد تمت صلوٰتک علق التمام بالفعل قرأ او لم یقرأ۔

علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ اذا فعلت ھذا الخ مدرج فی الروایۃ ہے، لیکن رفع کے حکم میں ہے،

واضح ہو کہ تعمداً ان تمام صورتوں میں ادراج حرام ہے۔ ملا علی قاری نے

Marfat.com

نے لکھا ہے کہ ادراج بتمامہ حرام ہے۔ ہاں بعض اخف ہی کا التفسیر ونحوہ۔ سمعانی کا قول ہے کہ جو شخص عمداً ادراج کرتا ہے وہ ساقط العدالت ہے شرح تقریب نووی میں ہے کہ تفسیر غرائب کیلئے ادراج جائز ہے۔ اسی لئے امام زہری وغیرہ نے ادراج کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ انتہی)۔

فصل تنبیہ اس فصل میں روایت بالمعنی کی بحث کیجائیگی، محدثین کے نزدیک روایت بالمعنی میں سخت اختلاف ہے، اکثروں کے نزدیک ایسے شخص کیلئے روایت بالمعنی جائز ہے، جو عربیت ولغت دانی میں ماہر ہو طرز سخن کے سمجھنے میں کامل ہو ترکیبوں اور خطابات کے مفاہیم کو سمجھنے والا ہو کیونکہ اگر ان اسالیب سے واقفیت نہو بلغا اور فصحاء کے طرز کلام کو نہیں پہچانتا ہو، تو حدیث کی مفہوم کو ادا کرنے میں خطا وغلطی سے محفوظ نہیں رہ سکتا ہے اس لئے ان تمام باتوں کے واقف کیلئے روایت بالمعنی جائز ہے۔ اور بعضوں کا قول ہے کہ مفردات الفاظ کی روایت بالمعنی جائز ہے اور مرکبات کی جائز نہیں، اور بعضوں کے نزدیک جس کو حدیث کے الفاظ مستحضر ہوں اسکے لئے جائز ہے وعند البعض جو شخص حدیث کے الفاظ کو بھول گیا ہے لیکن معانی اسکے ذہن نشین ہیں اسکے لئے ضرورتاً روایت بالمعنی جائز ہے اور جس کو الفاظ یاد ہوں اسکے لئے جائز نہیں ہے۔ یہ سب اختلافات تو جواز وعدم جواز میں ہیں لیکن بالاتفاق اولی وہی ہے کہ باللفظ روایت کیجائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نضر اللہ امرأ سمع منی مقالتی فوعاھا وادا ھا کما سمع الحدیث بالمعنی کتب ستہ وغیرہ میں بھی بکثرت موجود ہے۔

فائدہ واضح ہو کہ روایت بالمعنی ایک بڑا مرحلہ ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم یا صحابہؓ نے جو الفاظ فرمائے تھے بعینہ وہی ادا کرنے چاہئیں یا انکا مطلب ادا کر دینا کافی ہے محدثین اس باب میں مختلف الرائے ہیں اور اکثروں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر راوی اپنے الفاظ میں اس طرح مطلب ادا کرتا ہے کہ اصل حقیقت میں فرق نہیں آتا ہے تو الفاظ کی پابندی ضروری نہیں، لیکن اس کا فیصلہ کرنا کہ اصل مطلب ادا ہوا ہے یا بدل گیا یہ ایک اجتہادی امر ہے۔ اس بنا پر بعض محدثین مثلاً عبدالملک ابن عمر، ابوذرعہ، سالم بن جعدہ، قتادہ، امام مالک ایک ایک لفظ کی پابندی کرتے تھے، امام ترمذی نے کتاب العلل میں ان کے حالات بالتصریح بیان کئے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ سیکڑوں راویوں میں صرف دو چار اشخاص ایسی پابندی کر سکتے تھے وہ بھی اس زمانہ میں کہ تحریر کا رواج ہو چکا تھا عام حالت یہی تھی کہ راوی حدیث کے مطالب کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے تھے۔ امام ترمذی نے کتاب العلل میں سفیان بن عیینہ کا قول نقل کیا ہے کہ "ان قلت لکم انی احدثکم کما سمعت فلا تصدقونی وانما ھو المعنی" یعنی اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں جو سنتا ہوں وہی ادا کرتا ہوں تو تم میری بات نہ مانو۔ میں صرف مطلب ادا کرتا ہوں ترمذی نے اس مضمون کے اور اقوال واثلہ بن اسقع، محمد بن سیرین، حسن بصری امام شعبی وغیرہ سے نقل کئے ہیں۔

جو صحابہ محتاط تھے حدیث کی روایت کرتے وقت اُن کی حالت متغیر ہو جاتی تھی۔ سنن ابن ماجہ کے شروع میں عمرو بن میمون کا قول مذکور ہے کہ میں عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں ہمیشہ جمعرات کو حاضر ہوتا، میں نے کبھی اُن کو یہ کہتے نہیں سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔ ایک دن انکی زبان سے یہ لفظ نکل گیا تھا تو فرمایا

Marfat.com

سر جھکا لیا، پھر میری نظر اُن پر پڑی تو دیکھا کہ کھڑے ہیں قمیص کی گھنڈیاں کھلی ہوئی ہیں آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کہا۔ یا یوں کہا، یا اس سے کچھ زیادہ، یا اس سے کچھ کم، یا اس کے مشابہ

عبداللہ بن عمر، سعد بن مالک، عبداللہ بن زبیر وغیرہ کی حالت بھی ایسی ہی تھی، انکے حالات سنن ابن ماجہ کے شروع میں مذکور ہیں لیکن یہ حالت بعد کے لوگوں میں نہیں رہی، لوگ بے تحاشا بالمعنے روایت کرنے لگے۔ مگر بہتر تو وہی ہے کہ حتی الامکان روایت باللفظ کی کوشش کیجائے اور الفاظ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تبرک حاصل کرے۔

علامہ صدر الشریعہ میں توضیح میں لکھا ہے کہ نضر اللہ امرأ الحدیث کی وجہ سے بعضوں نے روایت بالمعنی کو ناجائز قرار دیا ہے، جمہور علماء کے نزدیک جائز تو ہے مگر عزیمت روایت باللفظ ہے، کیونکہ تبرکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو یاد رکھنا اولیٰ ہے، ہاں اگر کوئی لفظ حدیث کو بھول جائے لیکن معانی اسکو خوب یاد ہوں اس صورت میں ضرورتاً نقل بالمعنی جائز ہے نقل بالمعنی کی چند صورتیں ہیں جو حدیث محکم ہے یعنے اسکے معنی صاف اور روشن ہیں اور وجوہ متعددہ کا محتمل نہیں ایسی حدیث کی بالمعنی روایت لغت دان کے لئے جائز ہے۔ اور جو ظاہر ہے یعنی چند معانی کا محتمل ہو مثلاً عام محتمل خاص یا حقیقت، محتمل مجاز ہے تو اس صورت میں صرف مجتہد کیلئے روایت بالمعنے جائز ہے، اور وہ حدیث جو مشترک یا مجمل، یا متشابہ، یا جوامع الکلم ہیں تو اس کی بالمعنے روایت جائز نہیں۔ (انتہی)

عنعنہ حدیث کو عن فلاں عن فلاں کرکے روایت کرنا۔

معنعن وہ حدیث ہے جسکو بطریق عنعنہ روایت کیا گیا ہو امام مسلم نے قبول عنعنہ کیلئے معاصرت کی شرط کی ہے اور امام بخاری کے نزدیک لقا یعنی ملاقات شرط ہے اور بعض محدثین کے نزدیک قبول عنعنہ کیلئے اخذ شرط ہے، امام مسلم نے اس مسئلہ میں بخاری وغیرہ کی سخت تردید و تشنیع کی ہے، مدلس کا عنعنہ غیر مقبول ہے۔

(**فائدہ**۔ واضح ہو کہ صاحب مختصر جرجانی نے لکھا ہے کہ الصحیح انہ متصل اذا امکن اللقاء الخ یعنی راوی اگر عیب تدلیس سے بری ہو اس صورت میں اگر راوی و مروی عنہ میں لقا ممکن ہے تو معنعن متصل کے حکم میں ہے شیخ ابن الصلاح نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ الیٰ ھذا ذھب الجماھیر من ائمۃ الحدیث الخ یعنے جمہور محدثین کا مذہب یہی ہے، علامہ عبدالحی نے ظفر الامانی میں لکھا ہے کہ راوی اگر تدلیس سے مشہور ہو تو اسکے معنعن محکوم بالاتصال نہیں ہوگا، امام مسلم نے کہا ہے کہ معنعن پر اتصال کا حکم دینے کیلئے ثبوت معاصرت و امکان ملاقات کافی ہے۔ لیکن شیخ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ امام مسلم نے جو کچھ کہا اس میں شبہ ہے امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ محققین نے امام مسلم کے قول سے انکار کیا اور کہا ہے کہ امام مسلم کا قول ضعیف ہے، اور امام بخاری، علی ابن المدینی اور جمہور محدثین کا مذہب صحیح اور قوی ہے حتی کہ حافظ ابن عبدالبر نے دعویٰ کیا ہے کہ اسپر محدثین کا اجماع ہو گیا ہے۔)

مرفوع حدیث کی سند اگر متصل ہو تو اسکو مسند کہتے ہیں اس کی یہی تعریف مشہور اور معتمد علیہ ہے، اور بعض محدثین نے ہر متصل کو مسند کہا ہے خواہ وہ موقوف ہو، یا مقطوع، یعنے ان لوگوں نے مسند ہونے کیلئے رفع کو

ضروری نہیں سمجھا، اور بعض تو کل مرفوع کو مسند کہتا ہے اگرچہ وہ مرسل ہو یا منقطع یا معضل، (وھذا الاصطلاح فلا مشاحۃ فیہ)

(فائدہ۔ واضح ہو کہ حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ وہ حدیث جو بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرفوع ہے اسی کو مسند کہا جاتا ہے۔ وہ کبھی متصل ہوتی ہے مثلاً مالک عن نافع عن ابن عمر عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الخ اور کبھی منقطع ہوتی ہے مثلاً مالک عن زھری عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ مسند اسوجہ سے ہے کہ اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب کیا گیا ہے اور چونکہ ابن عباس سے زہری کا سماع ثابت نہیں اسلئے منقطع ہے، نیز شیخ موصوف نے بعض ایسے اقوال بھی نقل کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسند کا اطلاق مرفوع متصل ہی پر ہوتا ہے کذا فی مقدمۃ ابن الصلاح)۔

فصل ومن اقسام الحدیث الخ

اقسام حدیث میں شاذ، منکر ومعلل بھی ہیں۔ لغتاً جماعت سے علیحدہ ہونے والے کو شاذ کہا جاتا ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں اگر کوئی روایت ایسی ہو کہ وہ ثقات کی روایت کے خلاف ہو (تو اس تقدیر پر) اگر راوی غیر ثقہ ہو تو مردود ہے۔ اگر ثقہ ہو اور حفظ وضبط وغیرہ کے لحاظ سے راجح ہو تو وہ محفوظ ہے۔ اگر مرجوح ہو شاذ، یعنے وہ روایت جس کا راوی ثقہ ہے مگر اور ثقات کی روایت کے مخالف ہے، اور ضبط واتقان کی رو سے بھی اس روایت کا رتبہ ادنیٰ ہے۔ محدثین ایسی روایت کو شاذ کہتے ہیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ شاذ

میں راویوں کا ثقہ ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر راوی ثقہ نہ ہو تو وہ مردود ہے۔
جس حدیث کو کوئی اضعف راوی روایت کر رہا ہے اور وہ ایسی ایک روایت کے مخالف بھی ہے جسکا راوی ضعیف ہے اسکو منکر کہا جاتا ہے۔ جس طرح کہ شاذ کے مقابلہ میں محفوظ ہے۔ اسیطرح منکر کے مقابلہ میں معروف ہے۔ فرق اتنا ہے کہ منکر و معروف دونوں کے راوی ضعیف، بلکہ ایک دوسرے سے اضعف ہیں، اور شاذ و محفوظ میں دونوں کے راوی ثقہ ہوتے ہیں، ہاں بعض قوی ہوتے ہیں اور بعض اقوی۔
اس بیان سے معلوم ہوا کہ منکر و شاذ بحیثیت سند مرجوح ہیں اور محفوظ و معروف راجح۔ بعضوں نے شاذ و منکر کی تعریف میں مخالفت کی قید نہیں رکھی بلکہ یوں کہا ہے کہ جس حدیث کو کوئی ثقہ راوی منفرداً روایت کرتا ہے اور اسکے موافق مؤید کوئی دوسری روایت نہیں ملتی ہے تو وہ شاذ ہے، اور یہ تعریف ہر ایک ثقہ و صحیح پر صادق آتی ہے۔ اور بعضوں نے ثقہ و مخالفت کا بھی کوئی اعتبار نہیں کیا۔ بلکہ دونوں قیدوں کو مرفوع کر دیں اور اگر کہا کہ اگر کوئی راوی منفرداً روایت کرے وہی شاذ ہے اسیطرح منکر سے بھی بعضوں نے مخالفت وغیرہ کی قیدیں اٹھا دیں اور کہا کہ جس حدیث کے راوی میں فسق ہو زیادت غفلت اور کثرت غلط کی شکایت ہو وہ منکر و ھذا الاصطلاح فلا مشاحۃ
فائدہ واضح ہو کہ اگر ثقہ راوی نے ایسے راوی کی مخالفت کی جو ضبط یا اور کسی وجوہات ترجیح میں اس سے راجح ہو تو اسکی حدیث کو شاذ اور اسکے مقابل حدیث کو محفوظ کہا جاتا ہے چنانچہ حدیث ترمذی و نسائی و ابن ماجہ باسناد عیینۃ عن عمرو بن دینار عن عوسجۃ عن ابن عباس موصولاً ان رجلاً توفی علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یدع وارثاً

الا مولی هو اعتقه الحدیث۔ اس حدیث کو وصل کرنے میں ابن عیینہ کی متابعت ابن جریج وغیرہ نے کی ہے، بخلاف حماد بن زید کے کہ اس نے اسے عمرو بن دینار عن عوسجہ سے روایت کی اور ابن عباس کے واسطے کو انھوں نے چھوڑ دیا باوجودیکہ حماد بن زید عادل وضابط ہیں تاہم ابو حاتم نے کہا ہے کہ ابن عیینہ کی حدیث محفوظ ہے، تعداد میں اور زیادتی ہیں یعنی اوروں نے بھی اسکی متابعت کی ہے۔ بخلاف حماد کے کہ وہ روایت میں تنہا ہیں۔ اب جب ابن عیینہ کی حدیث محفوظ ہوئی تو حماد کی حدیث شاذ ہے۔ اس تقریر کی بنا پر شاذ وہ ہے جس کو ثقہ نے اپنے سے بہتر شخص کی مخالفت کرکے روایت کی ہو اصطلاحاً شاذ کی یہی تعریف قابل اعتماد ہے۔

اگر کوئی اضعف راوی کوئی دوسرے ضعیف راوی کی مخالفت کرتا ہوا ایک حدیث کی روایت کرے تو اس حدیث کو منکر اور مقابل کی حدیث کو معروف کہا جاتا ہے چنانچہ حدیث ابن ابی حاتم باسناد حبیب بن حبیب عن ابی اسحق عن عیزار بن حریث عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ وحج البیت وصام وقری الضیف دخل الجنۃ الحدیث۔ ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اسلئے کہ ثقات نے ابو اسحق سے موقوفاً جو روایت کی وہ معروف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاذ و منکر میں بلحاظ مفہوم عموم و خصوص من وجہ کا فرق ہے۔ نفس مخالفت میں دونوں شریک ہیں۔ ہاں اس امر میں دونوں میں فرق ہے کہ شاذ کا راوی ثقہ ہوتا ہے بخلاف منکر کے کہ اسکا راوی ضعیف ہوتا ہے جیسے حبیب بن حبیب، باقی جس نے دونوں کو مساوی قرار دیا۔ اُس نے غلطی کی ہے)

مُعَلَّل وہ اسناد ہے جسمیں ایسی خفیف اور دقیق علت موجود ہو کہ اسکو بجز حاذق و ماہر فن کے کوئی نہیں پہچانتا ہے اور وہ صحت کیلئے مانع ہے چنانچہ متصل کو بطریق مرسل اور مرفوع کو بطریق موقوف کے روایت کرنا اسیطرح کے اسباب میں سے ہے۔ اور معلِّل بکسر اللام اپنے دعوی پر دلیل قائم کرنیوالا ہے۔

متابع بکسر بار۔ اگر کسی راوی نے ایک حدیث روایت کی، اور اس کے موافق دوسری حدیث بھی دوسری روایت میں ملجائے تو اسکو متابع کہا جاتا ہے۔ اکثر محدثین روایت حدیث کے بعد کہا کرتے ہیں تابعہ فلانٌ اسکا مطلب یہی ہے، بخاری رح اپنے صحیح میں اکثر کہا کرتے ہیں ولہٗ متابعات۔ اس کا بھی مطلب یہی ہے، متابعت سے تقویت حدیث مقصود ہوتی ہے۔ مساوات اور برابری وغیرہ متابعت میں شرط نہیں۔ متابعت کبھی نفس راوی میں ہوتی ہے اور یہی اتم و اکمل ہے اور کبھی راوی کے شیخ سے ہوتی ہے۔

(فائدہ محدثین نے اس کی توضیح یوں کی ہے کہ متابعت دو قسم کی ہیں اول متابعت کاملہ۔ دوم متابعت ناقصہ مصنف رح نے جس کو متابعت اتم و اکمل کہا، متابعت کاملہ وہی ہے۔ اور جو شیخ راوی سے ہوتی ہے اسکو متابعت ناقصہ کہا جاتا ہے اور انکے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ متابع بکسر الباء اور متابع بفتح الباء کا ایک ہی قرن میں ہونا ضروری ہے۔ اور کبھی عالی بھی سافل کے متابع ہوتا ہے علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ متابعت میں اصل تو یہ ہے کہ دونوں ایک ہی قرن میں ہوں، اگر دونوں ایک ہی قرن میں نہ ہوں تو کبھی سافل بھی عالی کا متابع ہوتا ہے انتہی)

Marfat.com

اگر متابع اور متابع لفظاً و معناً موافق ہوں تو محدثین اس میں مثلہٗ کا لفظ اور اگر صرف معناً موافق ہو تو نحوہٗ کا استعمال کرتے ہیں مثلاً یوں کہا جاتا ہے کہ مثلہ قال فلان، یا نحوہ عن فلان، ونحو ذلك متابعت میں دونوں حدیثوں کا ایک ہی صحابی سے ہونا شرط ہے، کیونکہ اگر دو صحابیوں سے مروی ہوں تو وہ شاہد ہیں کما یقال وله شاهد من حدیث ابی هریرة ویقال وله شاهد وغیر ذلك، اور بعضوں نے لفظاً دونوں حدیثوں کے موافق ہونے کو متابع اور معناً موافق ہونیکو شاہد کہا ہے۔ عام ازیں کہ دونوں حدیثیں ایک صحابی سے ہوں یا نہیں، اور بعض کے نزدیک شاہد و متابع ایک ہیں۔

طرق احادیث اور اسانید کو متابع اور شاہد کو جاننے کیلئے تلاش کرنے کو اعتبار کہتے ہیں۔ انتہیٰ)

(فائدہ) علامہ طیبی نے خلاصۃ طریق الاعتبار فی الاخبار میں لکھا ہے کہ مثلاً روی حماد بن سلمۃ عن ایوب عن ابن سیرین عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کذا اس سند کے پہلے راوی حماد کو دیکھا گیا کہ اسکے کوئی متابع نہیں ہے پھر دیکھا جائیگا کہ ابن سیرین سے ایوب کے سوا کوئی ثقہ روایت کرتا ہے یا نہیں، اگر کوئی ثقہ نہ دیکھا جائیگا کہ بجز ابن سیرین کے ابو ہریرہ رضی سے کوئی ثقہ روایت کرتا ہے یا نہیں، اگر نہ دیکھا جائیگا کہ اگر بجز ابو ہریرہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کوئی صحابی بھی اس حدیث کو روایت کرتا ہے تو سمجھا جائیگا کہ اس کی کوئی اصل ہے اور اسی کو متابعت غیر تامہ (ناقصہ) کہتے ہیں، ورنہ ایوب سے حماد کے سوا اور لوگ بھی اگر اس حدیث کی روایت کریں تو اسکو

Marfat.com

متابعت تامہ کہا جاتا ہے۔ (اور کبھی پہلی صورت کو شاہد بھی کہتے ہیں) اگر بعینہ یہ حدیث نہ ہو بلکہ اسکے معنے دوسری روایت سے پائے جائیں تو اس کو شاہد کہا جاتا ہے۔ ورنہ فرد مطلق ہے۔ واضح ہو کہ اعتبار متابع کے قسیم نہیں کما وھم ھکذا قالہ العلامۃ عبد الحی فی ظفر الامانی، مختصر جرجانی میں ہے کہ حدیث کا راوی متفرد ہے یا نہیں، معروف ہے یا نہیں، اس کو جاننے کا نام اعتبار ہے۔

متابع اور شاہد کی مثال یہ ہے کہ روی سفیان بن عیینۃ عن عمرو بن دینار عن عطاء بن ابی رباح عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لو اخذوا اھابھا فدبغوہ فانتفعوا بہ۔ یہ ایک حدیث ہے لیکن ابن جریج نے عمرو عن عطاء سے جو روایت کی اسمیں دباغت کا ذکر نہیں ہے اس لئے حافظ بیہقی نے سفیان بن عیینہ کی حدیث کا ایک متابع اور ایک شاہد بیان کیا ہے متابع یہ ہے کہ عن اسامۃ بن زید عن عطاء عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ھلا نزعتم جلدھا فدبغتموہ فاستمتعتم بہ۔ یہ ہے متابع کی مثال کیونکہ اسامہ نے عطا سے متابعت کی ہے۔ شاہد کی مثال یہ ہے کہ عبد الرحمن بن وعلہ عن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما اھاب دبغ فقد طھر، یہ حدیث مذکورۃ الصدر کی شاہد ہے کذا فی مقدمۃ ابن الصلاح۔

(قاعدہ دیگر) واضح ہو کہ امام ترمذی رح اپنے جامع میں اکثر کہا کرتے ہیں و فی الباب عن فلان عن فلان، بعضوں نے کہا ہے کہ اس قول سے امام موصوف کا منشا یہ ہے کہ فی الباب کر کے جن کا ذکر کیا گیا بعینہ یہی حدیث انھوں سے بھی مروی ہے لیکن یہ صحیح نہیں بلکہ اس قول سے امام ترمذی کا مقصود یہ ہے کہ اس

Marfat.com

مضمون کی دوسری حدیثیں بھی ان لوگوں سے مروی ہیں۔ اور وہ حدیث بھی اس باب میں لیجا سکتی ہے، اور کبھی یہ معنی بھی لئے جاتے ہیں کہ امام ترمذی رح نے وفی الباب عن فلان الخ سے تردد وجود شواہد کیطرف اشارہ کیا ہے ھٰکذا اقالہ السیوطی فی تدریب الراوی شرح تقریب النووی۔

فصل۔ واقسام الحدیث ثلثہ

بحیثیت قبول ورد احادیث کے تین قسمیں ہیں، صحیح۔ حسن۔ ضعیف۔ مرتبہ کے لحاظ سے صحیح اعلیٰ ہے اور حسن متوسط، ضعیف ادنیٰ،

اوپر جتنی قسمیں گذریں وہ ان میں سے کسی نہ کسی قسم میں داخل و شامل ہیں صحیح حدیث وہ ہے جس کا راوی عادل، تام الضبط ہو، اور معلل و شاذ نہ ہو، پس یہ اوصاف جن میں اعلیٰ وجہ الکمال موجود ہوں وہ صحیح لذاتہ ہے۔ اگر اس میں کسی طرح کا نقص پایا جائے تو اگر کثرت طرق وغیرہ سے اس کا جبر نقصان ہو جائے تو وہ صحیح لغیرہ ہے۔

(فائدہ)۔ واضح ہو کہ عرف شذی میں ہے کہ صحیح کی چار قسمیں ہیں اول وہ حدیث جس کا راوی عادل اور ثقہ ہو اور تعامل سلف سے اس کی صحت کی مدد مل جاتی ہو۔ دوم جس کی ائمہ فن حدیث میں سے کسی نے تصحیح کی ہو سوم وہ حدیثیں جنھیں ایسے لوگوں نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہو جنھوں نے اپنے اوپر صحت کا التزام کیا ہے۔ مثلاً صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن السکن، صحیح بن حبان، چہارم وہ حدیثیں جن کے راوی جرح و عیب سے سالم ہوں اس

Marfat.com

تقسیم کی پہلی صورت اعلیٰ واحسن ہے۔)

اگر اسکے نقصان کو پورا کرنے والی کوئی چیز موجود نہو بلکہ اسکی کسر باقی رہجاتی ہو تو اس صورت میں اس کو حسن لذاتہ کہا جاتا ہے اور جسمیں شرائط مذکورہ کلاً یا بعضاً مفقود ہوں تو اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ اگر ضعیف حدیث متعدد طریقوں سے منقول ہو اور اُن سے اُن کا ضعف کم ہو جاتا ہو تو اس کو حسن لغیرہ کہا جاتا ہے۔

اہل فن کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صحیح میں جتنی شرطیں ہیں حسن میں اُنکا ناقص ہونا جائز ہے حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ حسن میں جس نقصان کا اعتبار کیا گیا وہ صرف ضبط میں ہے۔ ورنہ باقی اوصاف کا علی وجہ الکمال ہونا ضروری ہے۔

عدالت اُس ملکہ کا نام ہے جو انسان کو تقوی و مروت کا عادی بنا دیتا ہے۔ اور شرک کفر اور فسق و بدعت سے دور رہنے کو تقوی کہتا ہے، تقوی میں صغائر سے اجتناب کرنا شرط نہیں اور یہی قول مختار ہے مگر صغیرہ کے اصرار سے بچنا شرط ہے کیونکہ اصرار سے وہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ امور خسیسہ و اخلاق دنیہ سے دوری اختیار کرنے کو مروت کہا جاتا ہے مثلاً بازار میں کھانا پینا راستے میں پیشاب کرنا وغیر ذلک۔

یہاں ایک اور بات یاد رکھنے کی ہے اور وہ یہ کہ عدالت شہادت اور عدالت روایت برابر نہیں بلکہ عدالتِ روایت عام ہے۔ کیونکہ عدالتِ شہادت حر کے لئے مخصوص ہے لیکن روایت عبد کو بھی شامل ہے۔

فائدہ ۔ واضح ہو کہ اعمیٰ، محدود فی القذف عورت اور عبد کی روایت مقبول ہے۔ کیونکہ ان میں عدالتِ روایت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ کشف بزدوی میں ہے کہ گو اعمیٰ ونحوہٗ کی شہادت مقبول نہیں مگر ان کی روایت مقبول ہے کیونکہ

ان میں عدالت روایت پائی جاتی ہے بخلاف عدالت شہادت کے کہ ان میں معدوم ہے کیونکہ اعمی مشہود لہ اور مشہود علیہ میں تمیز نہیں کر سکتا۔ کیونکہ معاینہ کے بغیر وہ تمیز حاصل نہیں ہو سکتی ہے مگر روایت اخبار میں اس تمیز کی ضرورت نہیں اسلئے اعمیٰ و بصیر اس باب میں برابر ہیں۔ اسی طرح شہادت میں ولایت کاملہ شرط ہے اور عبد و امرأۃ محدود فی القذف میں وہ ولایت نہیں ہے۔ کیونکہ حد قذف سے محدود کی ولایت میں نقص آگیا اور عبد میں رقیت کیوجہ سے اصلاً ولایت منفی ہے اسی طرح امرأۃ میں ولایت ناقصہ ہے، ان وجہوں سے ان لوگوں کی شہادت غیر معتبر مگر روایت معتبر ہے، عدالت روایت و شہادت میں یہی فرق ہے۔

راوی نے شیخ سے جو کچھ سنا اسکو اچھی طرح محفوظ اور یاد رکھنے کا نام ضبط ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ اول حافظہ کی قوت سے اسکو جیسا سنا ویسا ہی یاد رکھنا اس کو ضبط صدر کہتے ہیں۔ دوم مسموع کو روایت کرنے تک کتاب وغیرہ میں قلمبند کر کے محفوظ رکھنا، اس کو ضبط الکتاب کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

فصل۔ امّا العدالۃ فوجہ الطعن الخ

طعن کے جو اسباب عدالت کے ساتھ متعلق ہیں وہ پانچ ہیں (۱) کذب (۲) تہام بالکذب (۳) فسق (۴) جہالت (۵) بدعت ان امور کے سبب سے راوی کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔

کذب سے مراد یہ ہے کہ خود واضع، وضع کرنے کا اقرار کرے یا دیگر قرائن سے معلوم ہو جائے کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس سے کذب ثابت ہوا ہے

Marfat.com

اور مطعون بالکذب کی حدیث کو موضوع کہتے ہیں جس سے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عمداً کذب ثابت ہوا ہے۔ گو زندگی بھر میں ایک ہی دفعہ سہی۔ تو توبہ کرنے سے بھی اس کی حدیث نہیں لیجائیگی، برخلاف شاہد زور کے، کہ اگر توبہ کرلے تو اس کا عیب رفع ہو جائیگا۔ محدثین کی اصطلاح میں حدیث موضوع سے یہی مراد ہے۔ نہ کہ اس راوی کی حدیث جس سے کذب ثابت ہوا ہے اور وہ خاص اسی حدیث میں یہ مسئلہ ظنی ہے۔ وضع و افترا کا حکم ظن غالب سے دیا جاتا ہے۔ اسمیں قطع و یقین کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ کاذب کبھی سچ بھی بولتا ہے۔ اس بیان سے ایک اشکال کا حل ہو گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قولہ "امّا باقرار الواضع" پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ اقرار واضع سے کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ حدیث موضوع ہے، کیونکہ احتمال ہے کہ اس اقرار میں بھی وہ کاذب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی حدیث پر وضع کا حکم لگانا سخت دشوار ہے اور کذب فی الحدیث کا ثبوت دینا محال ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ جھوٹا آدمی کبھی سچ بھی بولتا ہے اس کی تمام باتیں جھوٹ نہیں ہوتی ہیں۔ اسی بنا پر ظن غالب سے اسکی حدیث پر اقرار ہی سے وضع کا حکم لگایا جائیگا۔ کیونکہ ظن غالب کا اعتبار اگر نہ کیا جائے تو جو خود زنا کا اقرار کرتا ہے اسپر رجم نہیں ہو سکتا ہے۔ مقر بالقتل پر قتل کا حکم نہیں دیا جا سکتا ہے حالانکہ شرعاً ان صورتوں میں قتل اور رجم کا حکم ثابت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم ظن غالب سے دیا گیا۔ اور ظن غالب کا اعتبار شرع میں ہے۔ اس وجہ سے مقر بالوضع کی قول کو سچ مانکر ظن غالب سے اس کی حدیث پر موضوع ہونیکا حکم دیا جائے گا فلا اشکال فیہ۔

Marfat.com

(فائدہ) - چونکہ شیخ علیہ الرحمۃ نے یہاں موضوع کا بیان کیا ہے اسی لئے اس کے متعلق کچھ فوائد پر تفصیل دار بحث کرنے کی ضرورت ہے کہ آیا وضع جائز ہے یا نہیں؟ اسکے اسباب اور علامات کیا ہیں؟ اس کا خاکہ کھینچنا بھی شائد دلچسپی سے خالی نہ ہوگا)

واضح ہو کہ وضع حدیث کی وجہ - کبھی تو بیدینی ہوتی ہے چنانچہ زنادقہ اسی لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے، اور کبھی غلبۂ جہالت اسکا موجب ہوتا ہے چنانچہ اسی علت ہی سے متصوفہ حدیث بناتے اور کبھی شدت تعصب کا شکار ہو کر بھی حدیث وضع کر لیتے چنانچہ بعض مقلدین میں عام طور پر یہ صفت پائی جاتی ہے علامہ سید شریف جرجانی نے مختصر میں لکھا ہے کہ ابو عصمہ نوح بن مریم نے قرآن کریم کی سورتوں اور آیتوں کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وضع کیں۔ اُن سے پوچھا گیا کہ ایک ایک سورۃ کی فضیلت میں جو تم عکرمہ عن ابن عباس کی سند سے روایتیں بیان کرتے ہو یہ کہاں سے؟ تو انہوں نے کہا کہ لوگوں نے قرآن چھوڑ دیا اور امام ابو حنیفہ کی فقہ اور محمد بن اسحاق کی مغازی میں پھنس گئے ہیں۔ لہذا محض خدا کیلئے میں نے حدیثیں بنا کر بیان کر دیں تاکہ لوگ قرآن کیطرف مائل ہوں۔ ابن عدی لکھتے ہیں، کہ جب محمد بن سلیمان نے عبد الکریم بن العوجا کے قتل کا حکم دیا تو اس نے اقرار کیا کہ میں نے چار ہزار حدیثیں وضع کر کے تم میں پھیلائی ہیں جس میں کسی کو حلال اور کسی کو حرام بتا دیا ہے۔ واضعین کے یہ مختصر سے نمونے ہیں۔

کبھی رؤسا کی خواہشوں کی پیروی سے، اور کبھی بغرض شہوت نفسانی ندرت پسندی کے بھی حدیثوں کے وضع کرنے میں پس و پیش نہیں ہوتا، خلفاء و امراء کے درباریوں قصاص اور واعظوں میں یہ صفتیں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ موضوعات کبیر میں اسکی مثالیں

بکثرت موجود ہیں۔

باجماع محدثین وضع حدیث خواہ کسی وجہ سے ہو حرام اور اکبر الکبائر ہے اگرچہ بعض متصوفین اور کرامیہ سے بغرض ترغیب و ترہیب اباحت وضع منقول ہے مگر باتفاق علماء معتمدین یہ ناجائز و حرام ہے، اور اس کو مباح سمجھنا فاحش غلط فہمی اور جہالت ہے۔ کیونکہ حضرت رسولنا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہٗ فی النار یعنے جو شخص قصداً مجھ پر جھوٹ بولیگا اس کو جہنم میں اپنا ٹھکانا چاہیئے رواہ البخاری (نعوذ باللہ منہا) ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں لکھا ہے کہ ایک سو سے زائد اصحابہ نے اسکی روایتیں کی ہیں۔

امام جرجانی علیہ الرحمۃ نے مختصر میں لکھا ہے کہ لایحل روایۃ الموضوع للعالم بحالہ فی ای معنے کان الا مقروناً ببیان الوضع انتہے یعنے جو کوئی جانتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اس کو ایسی حدیث کی روایت کرنا حلال نہیں۔ ہاں اگر یہ بیان کردے کہ یہ حدیث موضوع ہے تو جائز ہے۔ مگر بہتر ہے کہ ایسی روایت سے اپنی زبان اور قلم کو پاک رکھے امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ یحرم روایۃ الموضوع علیٰ من عرف کونہ موضوعاً وغلب علی ظنہ وضعہ فمن روی حدیثاً علم او ظنہ فہو مندرج فی الوعید المذکور فی من کذب الحدیث۔ ولا فرق فی تحریم الکذب علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بین ما کان فی الاحکام وما لا حکم فیہ کالترغیب والترہیب والوعظ وغیر ذلک فکلہ حرام من اکبر الکبائر باجماع المسلمین کذا قال العلیؒ القاری فی الموضوعات صفحہ المطبوعہ بمصر یعنے جس کو معلوم ہے کہ حدیث موضوع ہے، یا اس کا ظن غالب یہی ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اس کیلئے

Marfat.com

اس حدیث کا بیان کرنا حرام ہے اور وضع کے علم اور ظن غالب کے باوجود اگر کوئی اس حدیث کی روایت کرے اور اس کو بیان کرے تو وہ بھی من کذب الحدیث مذکور کی وعید میں داخل ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ موضوع حدیث کا بیان کرنا حرام ہے، خواہ احکام میں ہو خواہ وعظ اور ترغیب و ترہیب میں۔ اس میں کچھ فرق نہیں ہے سب کا ایکساں حکم ہے اور سب حرام اور اکبر الکبائر و اقبح القبائح میں داخل ہیں، موضوعات کبیر میں اس کا مفصل بیان ہے،

چونکہ جمہور محدثین اور علمائے محققین و محتاطین کے نزدیک روایت موضوع بالکل حرام اور اکبر الکبائر و اقبح القبائح ہے، اسلئے علماء نے ان احادیث کو نکال لینے کے لئے، اس سے شریعت کو پاک کرنے کیلئے کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا، بلکہ ہر امکانی صورت سے اسکی تحقیق کی۔ راتیں اسکی جانچ پڑتال میں جاگ کر بسر کیں، اور آنیوالوں کے لئے راہیں صاف کیں۔ دین کو اس سے پاک و صاف کیا۔ آج ان کے بیحد ممنون احسان ہیں۔ جزاھم اللہ فی الدارین خیر الجزاء۔

ہاں اس مسئلہ میں بعض حد سے بھی گذرے ہوئے تھے اور بعض حد کے نزدیک ہونے سے بھی قاصر رہے۔ اس سلسلہ میں حافظ ابن جوزی کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ اس باب میں ان کا بہت بڑا احسان ہے۔ مگر مولانا عبد الحی لکھنوی نے اقامۃ السنۃ علی ان الاکثار فی العبادۃ لیس ببدعۃ میں لکھا ہے کہ اس باب میں ابن جوزی حد سے تجاوز کئے ہوئے ہیں۔ بہت سی صحیح حدیثوں کو بھی انھوں نے موضوعات میں داخل کر دیا ہے۔ علامہ موصوف نے ظفر الامانی میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ مگر افراط و تفریط سے پاک رہنا سب کے ہاں مشکل ہے۔ علامہ سیوطی

Marfat.com

اس باب میں ارخاءالزمام سے کام لیا ہے لآلی معذیول و معقبات اسی پر روشن ہیں۔
اسمیں شک نہیں کہ مسئلہ نہایت مشکل ہے چنانچہ ملا علی قاری نے موضوعات کبیر صفحہ ۸۹
مطبوعہ مجتبائی میں لکھا ہے کہ "علامہ امام ابن قیم سے پوچھا گیا تھا کہ یہ ممکن ہو کہ بغیر سند
دیکھے حدیث موضوع کو پہچان لیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ بہت بڑا سوال ہو
کیونکہ یہ وہ شخص پہچان سکتا ہے جو سنن پر حادی ہو جس کے خون اور گوشت
میں وہ مخلوط ہو گئی ہو اس میں اسکو پورا ملکہ حاصل ہو گیا ہو سنن و آثار کے
پہچاننے میں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو جاننے میں اور حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی امر و نہی کی ہدایات سمجھنے میں یعنے جو بات حضور صلی اللہ
علیہ وسلم پسند فرماتے تھے جس کو برا سمجھتے تھے جس کی امت کو تعلیم دیتے تھے سب کے
جاننے کی پوری پوری مہارت اور خصوصیت حاصل ہو گئی ہو وہ آدمی حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے احوال، ہدایت، کلام، اور افعال کو جان سکتا ہے الخ۔ اس بیان
سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ بہت ہی مشکل ہے۔ بہرحال ان باتوں کو مدنظر رکھتے
ہوئے محدثین نے اس کے متعلق چند اصول مقرر کئے ہیں۔

اسی سلسلہ میں امام ابن جوزی نے فتح المغیث میں لکھا ہے کہ جس حدیث کو دیکھو
کہ وہ اصول مسلمہ کے خلاف ہے تو سمجھ لو کہ وہ حدیث موضوع ہے۔ اسکی نسبت
یہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس کا راوی معتبر ہے یا نہیں۔ اسی طرح وہ حدیث
بھی قابل اعتبار نہیں ہے جو مشاہدہ و محسوسات کے خلاف ہو، ساتھ ہی اسکے
تاویل کی بھی اسمیں کوئی گنجایش نہیں۔ یا وہ حدیث جس میں ذرا سی بات سے سخت
عذاب کی دھمکی اور سزا کی وعید ہو، یا وہ حدیث جس میں کوئی لغویت پائی جائے

Marfat.com

مثلاً یہ حدیث کہ کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ۔ اسلئے بعض محدثین نے اس لغویت کو راوی کے کذب کی دلیل قرار دیا ہے۔ یہ تمام قرائن روایت سے متعلق ہیں۔ کبھی وہ قرینے راوی سے متعلق ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً جب راوی کوئی ایسی حدیث نقل کرے جو کسی اور نے نہ روایت کی ہو اور خود راوی کا مروی عنہ سے لقا بھی نہ ہو یا وہ حدیث جس کو ایک ہی راوی بیان کرتا ہو۔ حالانکہ وہ ایسی حدیث ہو کہ سب کو اس کا جاننا ضروری ہے جیسا کہ خطیب بغدادی نے کتاب الکفایہ کے شروع میں ذکر کیا ہے یا وہ حدیث جسمیں کسی شان دار واقعہ کا ذکر ہے۔ اگر وہ واقعہ ہوا ہوتا تو ہزاروں آدمی اس کی روایت کرتے، علامہ ابن جوزی نے موضوع حدیث کی شناخت کے لئے اتنے ہی قرائن ذکر کئے ہیں۔ مگر علامہ ملا علی قاری نے موضوعات کبیر کے اخیر میں موضوع حدیث کی پہچان کیلئے اور بھی چند اصول مقرر کئے ہیں جنمیں سے بقدر مشترک ابن جوزی کے قول میں گذرے ہیں۔ لیکن پھر بھی میں اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے خیال سے اس کو ذیل میں مکرر ترتیب وار لکھتا ہوں۔

(۱) جس حدیث میں فضول باتیں ہوں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ہرگز نہیں نکل سکتیں۔ مثلاً لا الہ الا اللہ کہنے سے خدا اس کلمہ سے ایک پرند پیدا کرتا ہے جس کے ستر زبانیں ہوتی اور ہر زبان میں ستر ہزار لغت ہوتے ہیں الخ۔

(۲) وہ حدیث جو مشاہدہ کے خلاف ہو مثلاً وہ حدیث جسمیں بیگن کھانا ہر مرض کی دوا بتائی گئی ہو۔

(۳) وہ حدیث جو صاف و صریح حدیثوں کے خلاف ہو۔

(۴) جو حدیث واقعے کے خلاف ہو مثلاً دھوپ میں رکھے ہوئے پانی سے غسل کرنے سے برص کا مرض پیدا ہوتا ہے۔

(۵) وہ حدیث جو انبیاء علیہم السلام کے کلام سا تھ مشابہت نہیں رکھتی ہے بلکہ صحابہ کے کلام سے بھی اسکی مشابہت نہیں ہے مثلاً وہ حدیث کہ تین چیزیں آنکھ کی روشنی زیادہ کرتی ہیں۔ سبزہ زار۔ آب رواں حسینوں کا چہرہ

(۶) یا وہ حدیث جس میں روز تاریخ کے ساتھ کوئی پیشین گوئی ذکر کی گئی ہو مثلاً فلاں سنہ ہجری کے فلاں مہینے اور فلاں تاریخ میں یہ واقعہ ہوگا۔

(۷) یا وہ حدیث جو اطبا کے اقوال سے مشابہ ہو، مثلاً ہریسہ کھانے سے قوت بڑھتی ہے۔ یا کہ مسلمان شیریں پسند ہے۔

(۸) وہ حدیث جس کے غلط ہونے کی دلیل موجود ہو، مثلاً عوج کا قد تین ہزار گز کا تھا۔

(۹) وہ حدیث جو قرآن کے خلاف ہو۔ مثلاً دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے کیونکہ اگر یہ صحیح ہوا تو ہر شخص کہدیگا کہ قیامت اتنے دنوں کے بعد آئیگی۔ حالانکہ قرآن کہتا ہے کہ بجز خدا کے اسکی کسیکو خبر نہیں معلوم ہے

(۱۰) وہ حدیث جو خضر علیہ السلام کے متعلق ہے جس میں ان کی حیات کا ذکر ہے۔

(۱۱) وہ حدیث جس کے الفاظ و معنے رکیک ہوں۔

(۱۲) وہ حدیثیں جو قرآن کی الگ الگ سورتوں کی فضیلت میں وارد ہوں چنانچہ بیضاوی اور کشاف وغیرہ میں ایسی حدیثیں بکثرت موجود ہیں۔

(۳) وہ حدیث جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محضر صحابہ میں

Marfat.com

کوئی کام کیا ہے۔ تمام صحابہ نے اسکو پوشیدہ رکھنے پر اتفاق کیا ہے
نعوذ باللہ من ذالک

(۱۴) یا وہ حدیث جو عقل کے متعلق ہے مثلاً لما خلق اللہ العقل قال لہ اقبل الخ۔

(۱۵) وہ حدیث جسمیں ترک اور سوڈان کی مذمت ہے۔

(۱۶) وہ حدیث جو نصف شعبان کی خاص نمازوں کے متعلق ہے۔

علامہ موصوف کتاب مذکور کے صفحہ ۸۷ میں ایک اور کلیہ بتاتے ہیں۔ چنانچہ اُن کا قول ہے کہ "میں کہتا ہوں ایک قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ احادیث نبویہ مسائل فقہیہ اور قرآن کی تفسیر صرف ان ہی کتابوں سے نقل کرنی جائز ہے جو متداول اور رائج ہوں۔ کیونکہ جو کتابیں رائج اور متداول نہیں۔ ان پر اعتماد نہیں رہا نہیں رہا زندیقیوں نے باتیں گھڑ کر اپنی طرف سے ملا دیں اسلئے غیر متداول کے محفوظ ہونے میں شبہ ہے۔ برخلاف اسکے جو کتابیں متداول ہیں۔ انمیں یہ شبہ نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ اسکے متعدد صحیح نسخے موجود ہوتے ہیں۔ کتاب مذکور کے صفحہ ۸۵ میں ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ تین قسم کی کتابیں ایسی ہیں کہ انکی اصل نہیں مغازی ملاحم تفسیر۔ خطیب بغدادی نے اسی قول کو نقل کرکے لکھا ہے کہ امام احمد کی مراد ان خاص کتابوں سے ہوگی جو بے اصل ہیں کیونکہ ان کے ناقلین عادل نہیں تھے ان کے راویوں میں سے اکثر قصاص اور واعظ تھے۔ کتب ملاحم اور فتن کی روایتیں اکثر اسی صفت کی ہیں۔ ان میں بہت کم روایتیں صحیح ہیں۔ باقی تفسیر کی کتاب تو اس فن میں کلبی اور مقاتل کی کتابیں بہت مشہور ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ کلبی کی تفسیر اول سے اخیر تک جھوٹ ہے جسکو دیکھنا درست نہیں۔ زرکشی نے کہا

کہ مقاتل کی کتاب بھی قریب قریب اسی درجہ کی ہے انتہی۔ فن تفسیر کی کتابوں کا حال علامہ سیوطی کی الاتقان فی علوم القرآن، میں ملاحظہ ہو، اسی طرح کتب حدیث اور کتب فقہ کا بھی یہی حال ہے۔ بلکہ کتب فقہ زیادہ تر غیر مامون اور غیر سالم ہیں طبقات کی کتابوں سے اس کی تحقیق کرنی چاہئے۔ انتہی۔ فعلیکم الشکر للہ الفضال و ھو علام و اعلم بحقیقۃ الحال)

اتہام بالکذب : متہم بالکذب اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں میں جھوٹا مشہور ہو۔ مگر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس سے کبھی کذب ثابت نہیں ہوا ہے اسکی حدیث بھی مقبول نہیں اور وہ حدیث جو قواعد معلومہ شرع کی خلاف ہو وہ غیر مقبول ہے اور اسی حدیث کو متروک کہتے ہیں کما یقال حدیثہ متروک او فلان متروک الحدیث ہاں اگر یہ شخص توبہ کرلے اور اسکی صحت کے امارات اور آثار ظاہر ہوں تو اس کی حدیث لیجا سکتی ہے۔ اور وہ شخص جس سے غیر احادیث نبویہ میں کبھی کبھی کذب ثابت ہوا ہو گو یہ معصیت ہے لیکن اخذ حدیث پر اسکا اثر نہیں پڑیگا۔

فسق راوی سے مراد فسق فی الاعمال والافعال ہے یعنے راوی کے عمل وفعل میں فسق ہو نہ اعتقاد میں کیونکہ فسق فی الاعتقاد بدعت میں داخل ہے۔ اور بدعت کا استعمال اکثر امور اعتقادیہ میں ہوتا ہے اور کذب اگرچہ فسق میں داخل ہے مگر چونکہ اشد اور اغلظ ہے اسلئے اس کو علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت ہوئی۔

جہالت راوی بھی وجہ طعن ہے کیونکہ اگر راوی کا نام معلوم نہو اور وہ مجہول الوصف ہو تو معلوم نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ ثقہ تھا یا نہیں اس لئے اس کی حدیث نہیں لیجا سکتی ہے مثلاً اگر کوئی کہے حدثنی رجل یا اخبرنی شیخ، تو مجہول الوصف

Marfat.com

ومجہول الجسم ومجہول الاسم ہے ان کی حالت معلوم نہونے کی وجہ سے یہ حدیث نہیں لیجائیگی۔ اور ایسی سند کو مبہم کہا جاتا ہے اور مبہم غیر مقبول ہے۔ ہاں اگر صحابہ کے طبقہ میں ہو تو مقبول ہے کیونکہ الصحابۃ کلھم عدول یعنے سب صحابہ عادل ہیں۔

اگر لفظ تعدیل کے ساتھ کسی نے مبہم کا ذکر کیا اس طرح کہ حدثنی ثقۃ اوعدل تو اس میں محدثین کا اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ وہ بھی غیر مقبول ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان کے اعتقاد کے موافق وہ ثقہ ہے۔ لیکن درحقیقت وہ ثقہ نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی حاذق طبع اور محتاط، امام فن نے ایسا کہا تو وہ مقبول ہے،

(فائدہ۔ اوپر گذر چکا ہے کہ راوی کی جہالت اخذ حدیث کے مانع ہوتی ہے، اسلئے کن کن وجوہات سے راوی مجہول ہوتا ہے اسکو جاننا ضروری ہے۔ واضح ہو کہ تین وجہوں سے راوی مجہول ہوتا ہے۔ اول یہ کہ بجز نام راوی کی کنیت، لقب وغیرہ بھی ہیں ان میں سے مشہور صرف ایک ہی ہے، اس صورت میں غیر مشہور نام یا کنیت وغیرہ سے اگر اسکو ذکر کیا جائے تو بسبب عدم انتقال ذہن وہ مجہول رہے گا، چنانچہ محمد بن السائب بن بشر الکلبی، بعض ان کو محمد بن بشر اور بعض حماد بن السائب کہتے ہیں، اور بعض ابوالنضر، بعض ابوسعید، بعض ابوہشام کہکر بھی ان کا ذکر کرتے ہیں۔ جو شخص حقیقت حال سے ناواقف ہے وہ یہی کہیگا کہ ان میں ہر ایک کے مسمے جداگانہ افراد ہیں، حالانکہ سب کا مسمی ایک ہے، اس بنا پر ہر شخص راوی کو پہچان نہیں سکتا ہے اسی لئے جہالت راوی اخذ حدیث سے مانع ہے۔ دوم بغرض اختصار راوی کا نام حذف کرکے اخبرنی فلان یا اخبرنی رجل ونحوہ کہکر مبہم کردیا

Marfat.com

اس صورت میں اگر کوئی دوسری سند سے مبہم راوی کا نام معلوم ہو تو حدیث مقبول ہے ورنہ نہیں، اگر لفظ تعدیل کے ساتھ ابہام کیا گیا ہو مثلاً اخبرنی ثقۃ و نحو ذلک بقول اصح تب بھی وہ حدیث غیر مقبول ہوگی۔ سوم راوی کا قلیل الحدیث ہونا، یعنے اس سے بہت کم لوگوں نے روایت کی، ایسے آدمی کا نام اگر مذکور نہ ہو تو وہ بھی مبہم ہے، اگر مذکور ہو اور صرف ایک ہی شخص نے اس سے روایت کی ہو تو بمنزلہ مبہم الشخص ہوگا، اور اس کی حدیث نہیں لیجائیگی، لیکن بقول اصح اگر راوی یا کسی ثقہ شخص نے اسکی توثیق کی ہو تو وہ لیجائیگی، اگر دو یا زائد لوگوں نے ان سے روایت کی۔ اور کسی نے ان کی توثیق بھی نہ کی تو بلحاظ ضبط و عدالت مجہول ہوگا۔ اور ایسے راوی کو مستور کہا جاتا ہے۔ گو بعضوں نے روایت مستور کو لینا جائز سمجھا لیکن جمہور ناجائز کہتے ہیں۔ ھذا ما ذکرہ العلامۃ عبدالحیؒ اللکنوی فی ظفر الامانی)

فائدہ دیگر۔ شیخ عبدالحق دہلویؒ نے جہالت کی بحث میں لکھا ہے کہ طبقہ صحابہ کا مبہم مقبول ہے۔ کیونکہ سب صحابہ عادل ہیں، لیکن یہ معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ کیونکہ اس پر بہت سارے مسائل کی بنیاد ہے۔ اسی وجہ سے اس مسئلہ میں بعض کا اختلاف ہے چنانچہ علامہ مازری کا بیان اس کلیہ کے مناقض ہے علامہ مازری مشہور محدث ہیں۔ علامہ نووی نے شرح صحیح مسلم میں اکثر ان کے قول سے استناد کیا ہے۔ انھوں اس تعمیم کی مخالفت کی تھی۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ فی معرفۃ الصحابہ کے شروع میں اُن کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"یہ مقولہ کہ صحابہ سب عادل ہیں، ہم اس سے ہر ایسے شخص کو مراد

نہیں لیتے، جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتفاقاً دیکھ لیا اور پھر فوراً واپس چلا گیا۔ بلکہ ہم اُن لوگوں کو مراد لیتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہ التزام رہے، اور آپکی اعانت و امداد کی اور اُس نور کی پیروی کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ یہی لوگ کامیاب ہیں"۔

لیکن محدثین نے مازری کے اس قول سے مخالفت کی، علامہ مازری نے بے شبہ غلطی کی کہ عدالت کے وصف کو مقربین صحابہ کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ اس بنا پر محدثین کی مخالفت ان سے بیجا نہیں۔ لیکن اس میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کی روایتیں ایک بدوی کی روایت کے برابر نہیں ہو سکتیں خصوصاً ان روایتوں کے متعلق یہ فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے جو فقہی مسائل اور دقیق مطالب کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ کل صحابہ عادل ہیں ان میں مراتب کا فرق کرنا بعض وقت ضروری ہے (شبلیؒ)

بدعت سے مراد یہ ہے کہ تاویلاً یا شبہتہً کوئی ایسے جدید امر کا اعتقاد رکھے جو اصول شریعت اور طریقۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابۂ کرام کے خلاف ہے تو اس کو بدعت کہا جائیگا۔ ہاں اگر وہ تاویل و شبہ سے نہ ہو بلکہ جحود و انکار کے سبب سے ہے تو ایسا اعتقاد رکھنا صراحتہً کفر ہے، جمہور کے نزدیک مبتدع کی حدیث مردود اور غیر مقبول ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ اگر وہ صدق لہجہ و صیانت زبان سے متصف ہو تو اس کی حدیث لیجائیگی۔ بعضوں نے کہا کہ اگر وہ امر متواتر فی الشرع کا منکر ہو اور اس کے امر دینی ہونے کی بین دلیل موجود ہو تو اس کی حدیث

Marfat.com

غیر مقبول ہوگی ورنہ مقبول ہے۔ لیکن مختار یہ ہے کہ اگر وہ اپنی بدعت کیطرف بلاتا یا اس کا رواج دینا چاہتا ہو تو اس کی حدیث نہ لیجائے ورنہ لیجا سکتی ہے بشرطیکہ اس سے بدعت کی تقویت و اعانت نہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بدعتیوں، اہل ہوا باطل مذہب والوں سے حدیث لینے میں محدثین کے درمیان معرکۃ الآرا اختلاف ہے۔ صاحب جامع الاصول نے لکھا ہے کہ بعض محدثین نے مبتدع معتزلی خوارج شیعہ، روافض وغیرہ سے حدیث لی ہے۔ لیکن محتاط لوگوں نے اس میں بہت احتیاط کی، ولکل نیات، لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر ان سے حدیث لیجائے تو تفتیش و تلاش اور جانچ پڑتال کے بعد لیجائیگی والاحتیاط فی ترکہ وھو اولی واحری، کیونکہ ان میں سے اکثر لوگ اپنے مذہب کی ترویج واشاعت کیلئے حدیثوں کو وضع کرتے تھے اور پھر جب توبہ کر لیتے اور اس مذہب سے رجوع کرتے تو اس کا اقرار بھی کرتے۔ اسلئے ان سے حدیث نہ قبول کرنا اولی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

(فائدہ۔ علامہ عبدالحیؒ نے موطا محمدؒ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ بدعت دو قسم کی ہے بدعت لغویہ اور بدعت شرعیہ۔ بدعت لغوی ہر امر محدث اور نئے کام کو کہتے ہیں (ھکذا قال الامام النووی) اور ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں لکھا ہے البدعۃ الشرعیۃ التی ھی ضلالۃ ما فعل بغیر دلیل شرعی کاستحباب مالم یحبہ اللہ تعالیٰ وایجاب مالم یوجبہ اللہ تعالیٰ وتحریم مالم یحرمہ اللہ تعالیٰ انتہی یعنی بدعت شرعیہ ضلالت ہے وہ ایسی چیز ہے جو بغیر کسی دلیل شرعی کے کیجائے۔ مثلاً ایسے کام کو مستحب سمجھنا جسے خدا اچھا نہیں جانتا ہے یا ایسے کام کو واجب سمجھنا جسے خدا نے واجب نہیں کیا ہے یا ایسی

کام کو حرام سمجھنا جسے خدا نے حرام نہیں کیا ہی، علامہ ملا علی قاری نے مرقات میں بحوالہ قاضی لکھا ہے، کہ اپنی رائے سے ایسے کام کرنا جسکی اصل کتاب و سنت میں بالظاہر یا بالخفاء موجود نہو اور اس سی مستنبط بھی نہو وہی مردود یعنی بدعت وضلالت ہے، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ما احدث مما یخالف الکتاب و السنۃ او الاثر او الاجماع فھو ضلالۃ۔ وما اُحدث من الخیر مما لا یخالف شیئاً من ذلک فلیس بمذموم ھکذا فی المرقات۔ ج ۱ ص ۱۷۹

اس بیان سے معلوم ہوا کہ بدعت کو سیئہ یا حسنہ کہنا لغت کے اعتبار سے ہے، اسیطرح علامہ عزالدین بن عبد السلام نے بدعت کی جو تقسیمیں بتائیں وہ بھی لغوی بدعت کے اعتبار سے ہی ورنہ بدعتِ شرعیہ ضلالت و سیئہ ہی ہی، حسنہ یا واجب و مستحب وغیرہ نہیں ہوسکتی ہی۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی ارقام فرماتے ہیں کہ "ان البدعۃ لیس فیھا حسن البتۃ" البتہ بدعت میں حسن ہرگز نہیں ہی، سب سیئہ میں داخل اور مذموم ہیں، اور نحو، صرف وغیرہ علوم جو امر دین کی وسائل ہیں، سنت میں داخل ہیں، اسپر بدعت کا اطلاق نہیں ہوسکتا ہی۔ اسی سی استدلال کرکے شیخ عبد الغنی دہلویؒ نے لکھا ہی کہ اسلئے جس بدعت کو لوگ حسنہ کہتی ہیں اسکو ترک کرنا چاہیئے اگرچہ نور صبح کی طرح اسکا نور بھی ہو، کیونکہ بدعت بلاشک دریپ سنت کی فضیلت کو اٹھا دینے والی ہی، اسیوجہ سی مجدد علیہ الرحمۃ نے نماز وغیرہ کی نیت کا تلفظ کرنیسے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سی ثابت نہیں ہے، نہ صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین عظام سی۔ کذا فی انجاح الحاجۃ علی ابن ماجۃ

علامہ عبد الغنی نابلسی حنفیؒ نے بھی "الحدیقۃ الندیہ"[1] جلد اول ص ۹۵ میں لکھا ہے

[1] یہ کتاب کتب خانہ رضائیہ مدرسہ کلکتہ میں نظر سے گذری ہے

کہ فان قیل کیف التطبیق بین قولہ علیہ السلام کل بدعۃ ضلالۃ وبین قول الفقہاء لما قسموا البدعۃ الی اقسام الخ۔ قلنا الجواب ان البدعۃ لھا معنیان الاول لغوی عام یشمل جمیع اقسام البدعۃ۔ یعنی اگر اعتراض کیا جاوے کہ ہر بدعت ضلالت ہے۔ حالانکہ فقہاء کہتے ہیں کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ واجبہ، مستحبہ، وغیر ذلک، یہ تناقض ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں اول بدعت لغوی یہ تمام اقسام کی جامع ہے۔ کیونکہ لغتاً ہر امر محدث ہی پر لفظ بدعت کا اطلاق ہوتا ہے خواہ وہ شرعی ہو یا غیر شرعی، امر تعبدی ہو یا غیر تعبدی۔ اس عام معنے کے اعتبار سے فقہاء نے بدعت کی تقسیم کی ہے اس اعتبار سے بدعت حسنہ بھی ہو سکتی ہے، واجب بھی ہو سکتی ہے وغیر ذلک، والثانی شرعی ھی مرادہ علیہ السلام فی حدیث کل بدعۃ ضلالۃ، اور بدعت کے ایک دوسرے معنی ہیں، بدعت شرعیہ، اور حدیث میں یہی بدعت مراد ہے فلا تناقض بین القولین۔

علامہ موصوف نے بدعت شرعیہ کی یوں تعریف کی ہے کہ الشرعی ھو الزیادۃ فی الدین کابتداء عما لھا اصل فی دین اللہ تعالی او نقصان منہ کترک طاعۃ شرعیۃ اعتقد تارکھا ذلک الترک طاعۃ۔ الحادثان بعد زمان الصحابۃ و التابعین وتابعیھم رضی اللہ تعالیٰ عنھم، بغیر اذن من الشارع لا قولاً ولا فعلاً ولا تصویباً ولا اشارۃً۔ یعنے دین میں کسی چیز کا اضافہ کرنا مثلاً کسی عبادت کا ایجاد کرنا جسکے لئے دین میں اصل و ثبوت نہیں ہے یا کسی امر دینی کا ترک کرنا اور اعتقاد رکھنا کہ یہ ترک بھی عبادت ہے، اور یہ زیادہ نقصان اور ترک واتیان صحابہ و تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالی عنہم کے زمانہ کے

Marfat.com

بعد پیدا ہوئے ہیں، اور شارع علیہ السلام سے نہ قولاً اسکا حکم ہے نہ فعلاً، نہ صریحاً اسکا اذن ہے نہ اشارۃً، اسی کو بدعت شرعیہ کہا جاتا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ برسبیل عادت اگر کوئی نیا کام کرے وہ بدعت شرعیہ کے حکم میں داخل نہیں ہوسکتا ہے۔ عادۃً کرنے کے معنی یہ ہیں کہ جسمیں دنیاوی غرض کے حصول مقصود ہوتا ہے، مثلاً نئے نئے لباس پہننا، ایجاد کرنا، نئے قسم کے گھر بنانا، کھانے کا سامان کرنا وغیرہ ذلک، یہ سب بدعت شرعیہ میں داخل نہیں، بلکہ بدعت شرعیہ کا امر دینی و تعبدی ہونا شرط ہے، علیکم بسنتی الحدیث، من احدث فی امرنا ھذا الحدیث، اس کی بین دلیل ہے۔

نیز حدیث من احدث فی امرنا ھذا سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ احداث فی الدین ممنوع و مذموم ہے واما الاحداث للدین یعنی لاعانۃ الدین فلیس بمذموم یعنی شریعت کی اعانت کیلئے نئے کام کرنا مذموم نہیں ہے۔ فافھم فانہ دقیق ،
اس مسئلہ کی تفصیل، مع لوازم تحقیق کیلئے کتاب مذکور نہایت مفید ہے۔

(فائدہ) بیگر تلفظ نیت عند الصلوۃ وغیرہا ناجائز ہے۔ اسکی مفصل تحقیق فتح القدیر شرح ہدایہ، مرقات، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد وغیرہ میں مذکور ہے)

فَصْلٌ، وَاَمَّا وُجُوْہُ الطَّعْنِ الْمُتَعَلِّقَۃِ بِالضَّبْطِ الخ

ضبط کے ساتھ طعن کے جو اسباب متعلق ہیں وہ پانچ ہیں۔ اول فرط غفلت دوم کثرت غلط سوم مخالفت الثقات چہارم وہم پنجم سوء حفظ، فرط غفلت و کثرت غلط دونوں قریب المعنے ہیں، فرق اتنا ہے کہ غفلت سماع و تحمل حدیث میں

ہوتی ہے اور غلط اسماع اور روایت کرتے ہیں۔

مخالفت الثقات متن کیطرح اسناد میں بھی ہوتی ہے، اسکی متعدد اقسام ہیں اور سب کے سب ہی شذوذ کے موجب ہیں۔ اسکو یہاں ذکر کرنیکی وجہ یہ ہے کہ متن یا اسناد میں تغیر و تبدل ہونا سوء حفظ و عدم ضبط ہی کیوجہ سے ہوتا ہے۔

وہم و نسیان کیوجہ سے جو حدیث غلط روایت کیجائے اگر قرائن سے اسپر اطلاع ہو تو اس حدیث کو معلل کہا جاتا ہے۔ علل و اسباب ضارہ سے واقف ہونا تو بہت ہی مشکل ہے، بجز ایسے شخص کہ جسکو خدا نے سمجھ عطا کی ہو۔ حفظ و اتقان بخشا ہو، اسانید و متون کے احوال اور مراتب رواۃ کی تام معرفت عنایت کی ہو۔ کوئی اور شخص اسکو پہچان نہیں سکتا ہے، متقدمین میں تو ایسے بہت گذرے ہیں۔ مگر متاخرین میں امام دار قطنیؒ کے بعد ابتک کوئی اور پیدا نہیں ہوا۔ واللہ اعلم

سوء حفظ سے مراد یہ ہے کہ اصابت و صحت کی بہ نسبت اسکی غلطیاں اور حفظ و اتقان کی بہ نسبت سہو و نسیان زیادہ ہو۔ حتیٰ کہ اگر خطا و نسیان، صواب و اتقان کے برابر بھی ہوں، وہ بھی سوء حفظ میں داخل ہے۔ اور اس باب میں حفظ و اتقان اور صواب و صحت کی کثرت ہی پر اعتماد ہے۔

ساری زندگی میں جو شخص سوء حفظ کے عارضہ میں مبتلا رہے اس کی حدیث غیر مقبول ہے، بعضوں نے ایسے شخص کی حدیث کو بھی شاذ کہا ہے اور جسکا حافظہ قوی تھا۔ مگر بعد کو کبر سنی، کسی مرض، یا اور کسی علت سے حافظہ میں فتور آگیا ہے تو اسکی حدیث کو مختلط کہا جاتا ہے اس نے قبل از اختلال و فتور جسکی روایت کی ہو اگر اسکا امتیاز ہو تو وہ مقبول ہے اور بعد کی روایتیں ساقط الاعتبار

ہیں اور اگر امتیاز ممکن نہو تو اسپر توقف کیا جائیگا۔ تا آنکہ اگر اسکی شواہد و متابعات موجود ہوں تو لیجا سکتی ہے ورنہ نہیں، مستور و مدلس و مرسل کا حکم بھی یہی ہے

(فائدہ) اسکی تشریح مدلس، مرسل، مجہول کے بیان کے ضمن میں گذر چکی ہے، فانظر ثمہ) واللہ اعلم۔

فَصْلٌ اَلْحَدِیْثُ الصَّحِیْحُ الخ

حدیث کا راوی اگر ایک ہو تو اس حدیث کو غریب اگر دو ہوں تو عزیز، اگر زیادہ ہوں تو مشہور و مستفیض کہتے ہیں حدیث کے راوی اگر کثرت میں اس حد تک پہنچے ہوں کہ عادۃً اتنے لوگوں کا کذب پر اتفاق کرنا محال ہے، تو اس حدیث کو متواتر کہا جاتا ہے۔ کبھی غریب کو فرد بھی کہتے ہیں حدیث کا راوی ایک ہونے سے مراد یہ ہے کہ اسناد کی کسی جگہ یا روایت کے کسی طبقہ میں ایک ہی شخص اسکی روایت کرنے والا ہے۔ یعنے اگر کسی زمانہ میں اس حدیث کے راوی زیادہ بھی تھے مگر دوسرے زمانہ میں اسکا صرف ایک ہی راوی موجود ہے اس صورت میں اسے فرد نسبی کہا جائیگا۔ اگر اسناد کی ہر جگہ اور ہر طبقہ میں راوی ایک ہی ہو تو اسکو فرد مطلق کہا جائیگا۔ اور راوی دو ہونے سے مراد ہر طبقہ میں دو ہی شخص راوی ہوں، اگر کہیں صرف ایک ہی راوی ہوگیا تو اس صورت میں یہ عزیز نہیں رہیگا بلکہ غریب ہو جائیگا۔ کما سبق۔

(فائدہ) الحاصل خبر غریب وہ ہے جسکے اسناد میں صرف ایک ہی راوی ہو کہ اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ غریب و فرد دونوں مترادف ہیں

کما قالہ ابن حجر العسقلانی، واضح ہو کہ وحدت صحابی سے حدیث غریب نہیں ہوگی، علامہ ابن صلاح کے بیان اور ملا علی قاری کی بعض عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ خبر عزیز وہ ہے کہ ایک طبقہ میں اسکے راوی کم از کم دو یا تین ہوں، باقی اگر کسی مقام میں اس سے زائد بھی ہوں، تو اس سے کوئی اثر نہیں پہنچیگا۔ کیونکہ اس فن میں کم ہی کا اعتبار ہے۔ اس قیاس پر حدیث مشہور میں کثرت کے معنے یہ ہونگے کہ ہر جگہ اور ہر طبقہ میں دو یا تین سے زائد راوی ہوں، یہ اس قول کی بناء پر ہے کہ ان الاقل حاکم علی الاکثر فی ھذا الفن۔ یعنی اس فن میں کم ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک حدیث کے راوی تابعی یا تبع تابعین کے طبقہ میں کثرت ملتے ہیں، مگر اس کے بعد کے طبقہ میں اس حدیث کا صرف ایک ہی راوی ہے تو اسکو غریب کہنا پڑیگا، کیونکہ ایک طبقہ میں اسکا صرف ایک راوی ملا ہے اور اعتبار اقل ہی کا ہے، یہی معنے ہیں قولہم ان الاقل الخ کے،)

بیان ماسبق سے معلوم ہوا کہ غرابت، صحت حدیث سے مانع نہیں، اور حدیث صحیح غریب ہو سکتا ہے، اس طرح کہ اسکا ہر ایک راوی ثقہ ہے، اور کبھی غریب شاذ کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے۔ مگر بدیں وجہ وہ حدیث کے لئے طعن ہو جائیگا۔ چنانچہ اسباب طعن فی الحدیث کے ضمن میں اسکا بیان گذر چکا ہے۔ صاحب مصابیح نے ھذا غریب کہکر اسی معنے کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ غریب کا لفظ یہاں علی سبیل الطعن استعمال کیا گیا ہے۔ بعض لوگ شاذ اُس حدیث کو کہتے ہیں جسکا راوی ایک ہے کما علم۔ اس لئے یہ لوگ کہتے ہیں کہ "صحیح شاذ" "صحیح غیر شاذ" اس معنی کی بناء پر غرابت کیطرح شاذ

بھی صحت کے منافی نہیں ہے، لیکن جہاں بر سبیل طعن شاذ کہا گیا وہاں مخالفت ثقات معتبر ہے، اسلئے وہ صحت کے منافی ہے۔

(فائدہ۔ خبر متواتر وغیرہ کے اجمالی بیان کی تفصیل یوں بیان کیجاتی ہے کہ علامہ صدر الشریعہ نے توضیح میں لکھا ہے کہ خبر کو دیکھنا چاہیئے کہ اسکے رواۃ کی تعداد ہر عہد اور ہر زمانہ میں اگر اس حد تک پہنچی ہو کہ اُسکا شمار مشکل و محال ہے اور باوجود اختلاف اوطان و بُعد اماکن، ان لوگوں کا کذب پر اتفاق کرنا بھی عادۃً محال ہے، یا ہر عہد میں تو ایسا نہیں ہے بلکہ قرن اول کے بعد سے اس حدیث کے راویوں کی اتنی بڑی جماعت ہوتی ہے، یا کسی زمانہ میں ایسا نہو بلکہ راوی آحاد ہیں تو پہلی صورت کو متواتر اور ثانی کو مشہور اور ثالث کو خبر واحد کہا جاتا ہے۔ انتہی۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ تواتر کی بھی چار اقسام ہیں۔ اول تواتر اسناد، یعنے قرون ثلثہ میں حدیث کے راوی اس قدر ہوں کہ جنکا کذب پر اجتماع کرنا ناممکن ہے وھذا ھو تواتر المحدثین ثانی تواتر طبقہ یعنے ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ کے لوگوں کا بلا اسناد اس خبر کو لینا، قرآن پاک بھی اس معنے سے متواتر ہے، وھذا ھو تواتر الفقہاء ثالث تواتر قدر مشترک وہ یہ ہے کہ کوئی مضمون بہت سے احاد سے مذکور ہو۔ چنانچہ معجزہ بھی اسیطرح کا متواتر ہے۔ اسمیں قدر مشترک تواتر ہے۔ ان تینوں میں سے ہر ایک کا منکر کافر ہے، رابع اگر یہ ضروری ہو تو ایسا ہوگا اور اگر نظری ہو ایسا نہیں ہوگا۔ ھکذا فی العرف الشذی)

Marfat.com

فَصْلٌ الْحَدِیْثُ الضَّعِیْفُ الخ

حسن صحت و حدیث کیلئے جو شرائط معتبر ہیں اگر کسی حدیث میں وہ کلاً و بعضاً نہ پائی جائیں، یا اُس کا راوی شذوذ یا کوئی دوسری علت سے معیوب و معلل ہو تو وہ حدیث ضعیف ہے۔ ان اعتباروں کی وجہ سے ضعیف کے بھی بہت سے اقسام ہوتے ہیں۔ اور بلحاظ افراد و ترکیب اس کے اقسام بہت زیادہ ہو جاتے ہیں۔

(فائدہ) قولہ وبھذا الاعتبار یتعدد اقسام الضعیف ویکثر افراداً و ترکیباً الخ واضح ہو کہ ابو حاتم نے کہا ہے کہ ضعیف کی اونچاس قسمیں ہیں، یہ تمام قسمیں ضابطۂ مذکورہ میں داخل ہیں شرائط قبول کی کوئی ایک شرط معدوم ہو، وہ بھی ایک قسم ہے، اور قبول کیلئے چھ شرطیں ہیں۔ اوّل اتصال سند، جسمیں اتصال نہ پایا جائے وہ ضعیف ہے۔ دوم عدالت، جسمیں عدالت معدوم ہو وہ ضعیف ہے سوم کثرت غلط و زیادتِ غفلت سے سالم ہونا۔ اگر ایسا نہ ہو وہ بھی ضعیف چہارم متہم بالکذب و مستور نہ ہونا۔ اگر ہوں ضعیف ہے۔ پنجم شذوذ سے سالم ہونا۔ اگر شاذ ہو تو ضعیف ہے۔ ششم علت قادحہ سے سالم ہونا ورنہ وہ بھی ضعیف ہے۔ اور عدم اتصال کے ماتحت دو صورتیں داخل ہیں۔ اوّل انقطاع اور دوم مرسل ہے کہ اس کا جبر نقصان نہیں ہوتا ہے۔ نیز جس کے ساتھ اور شرط بھی معدوم ہو اُسکے ماتحت بھی چند صورتیں ہیں۔ سوم وہ مرسل ہے جسکی اسناد میں ضعف ہو۔ چہارم ضعف منقطع، پنجم مرسل مجہول، ششم منقطع مجہول

Marfat.com

ہفتم مرسل مغفل، ہشتم منقطع مغفل، نہم مرسل مستور، دہم منقطع مستور، یازدہم مرسل شاذ، دوازدہم منقطع شاذ، سیزدہم مرسل معلل، چہاردہم منقطع معلل و نحو ذلک، علی ہذا القیاس، بعض صرف ایک علت سے ضعیف ہے اور بعض دو علتوں سے، مثلاً مرسل شاذ، اسمیں ایک علت عدم اتصال ہے، دوسری شذوذ، اسلئے یہ مرکب ہے، اور مطلق مرسل میں ایک علت عدم اتصال ہے اور یہ مفرد ہے۔ یہی معنی ہیں، قولہ افراداً وترکیباً کے واللہ اعلم۔ بخوف طوالت باقی اقسام قلم انداز کر دے گئے والتفصیل فی ظفر الامانی ۔ ص ۹۵)۔

اسیطرح صحیح وحسن لذاتہ ولغیرہ کے مراتب بھی متفاوت ہیں اور ان دونوں کی کمال کیلئے جو صفات معتبر ہیں ان سے بھی درجے میں تفاوت ہو جاتی ہے۔ گو وہ سب فی الجملہ مشترک ہیں، محدثین نے مراتب صحت کو ضبط کرکے اسکی مثالیں بیان کیں اور ان کا قول یہ ہے کہ عدالت وضبط کا نام لینے سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو ان اوصاف کے ساتھ متصف ہیں لیکن بعض بعض سے افضل بھی ہوتے ہیں۔

واضح ہو کہ مطلقاً کسی خاص سند کو اصح الاسانید کہنے میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ صحیح ترین اسناد وہ ہے جو عن زین العابدین عن ابیہ عن جدہ کے سلسلے سے ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اصح وہ اسناد ہے جو عن مالک عن نافع عن ابن عمر سے ہے، بعض کا قول ہے کہ جو عن زہری عن سالم عن ابن عمر سے ہے لیکن حق تو یہ ہے کہ کسی مخصوص اسناد پر اصحیت کا حکم دینا جائز نہیں، ہاں بلاشک صحت کے مراتب عالیہ ہوتے ہیں، اور بہت سی حدیثیں اس مرتبہ تک پہنچی ہیں، اگر کسی قید کے ساتھ کہے کہ فلاں شہر کے صحیح ترین اسناد یا فلاں باب، یا فلاں

Marfat.com

مسئلہ کے صحیح ترین اسناد یہ ہیں تو ان صورتوں میں اسپر اصحیت کا حکم صحیح ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

فصل۔ من عادۃ الترمذی الخ

واضح ہو کہ امام ترمذی کی عادت ہے کہ اپنی کتاب جامع ترمذی میں کہیں "حدیث حسن" اور کہیں "حدیث حسن غریب" اور کہیں "حدیث حسن غریب صحیح" کہتے ہیں اسمیں شبہ نہیں کہ حسن اور صحیح کا اجتماع جائز ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں حسن سے حسن لذاتہ اور صحیح سے صحیح لغیرہ مراد ہوگا، اسیطرح اجتماع غرابت و صحت جائز ہے کما علم، لیکن غریب و حسن کا اجتماع میں اشکال ہے کیونکہ امام ترمذی نے حسن میں تعدد طرق کا اعتبار کیا ہے۔ اسلئے جو حسن ہو وہ غریب نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ غریب کا اقتضا ہے کہ اسکا راوی ایک ہو اور حسن مقتضی ہے کہ اسکے رواۃ زیادہ ہوں والامران احدھما ضد الاخر تو بظاہر حسن و غریب کے اجتماع سے اجتماع ضدین لازم آتا ہے وھو محال۔ اس اشکال کے چار متعدد جواب دیئے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ امام ترمذی نے اگرچہ حسن میں تعدد طرق کا اعتبار کیا ہے۔ لیکن یہ مطلقاً نہیں بلکہ حسن کی کسی خاص قسم میں تعدد طرق کا اعتبار کیا ہے۔ لا فی اقسامہ کلھا۔ اور انھوں نے جسمیں حسن اور غریب کے اجتماع کو جائز رکھا ہے وہاں حسن کی کوئی خاص قسم مراد ہے جہاں اجتماع صحیح ہو سکتا ہے دوم بعضے کہتے ہیں کہ امام ترمذی نے اس سے طرق مختلفہ کیطرف اشارہ کیا ہے کہ یہ حدیث حسن و غریب دونوں اعتبار سے مروی ہے۔ بعض سے بطریق حسن اور

Marfat.com

بعض سے بطریق غریب، سیوم بعضوں نے کہا ہے کہ حسن و غریب کے درمیان کا واؤ
معنے میں اَو کے ہے گویا علامہ نے شک کیا کہ آیا یہ حدیث غریب ہے یا حسن، امام موصوف
نے اس حدیث پر جزم کے ساتھ کوئی حکم نہیں لگایا ہے، چہارم یہاں حسن
کے معنی اصطلاحی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنے وہ چیز جس کی
طرف میلان طبع ہو۔ وھذا لایعبأ بہ۔ واللہ اعلم۔

فصل۔ الاحتجاج فی الاحکام

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ خبر صحیح، احکام شرعیہ کیلئے حجت ہو سکتی ہے، اسی طرح
حسن لذاتہ سے استدلال کرنا جائز ہے، گو وہ بحیثیت رتبہ صحیح سے گھٹا ہے،
اور جو ضعیف حدیث تعدد طرق سے حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچی ہے وہ بھی احکام
شرعیہ میں حجت ہو سکتی ہے، اور یہ مقولہ کہ ضعیف حدیث فضائل اعمال کے علاوہ
دوسرے موقعوں میں معتبر نہیں، اس سے صرف مفردات مراد ہیں، کیونکہ جو حدیث
تعدد طرق سے قوت حاصل کر لے وہ تو حسن لغیرہ کے درجہ میں شامل ہو گئی، اب تو
اس سے مطلقاً احتجاج جائز ہوگا۔ کیونکہ اسکا ضعف دور ہو گیا، اور بعض تو یہ کہتے ہیں کہ
سوء حفظ یا اختلاط یا تدلیس وغیرہ کیوجہ سے بھی اگر کوئی حدیث ضعیف ہوئی ہے اگر راوی
صداقت شعاری و دیانت داری کیساتھ متصف ہو تو تعدد طرق سے اسکا ضعف دور
ہو جائیگا۔ ہاں اگر شذوذ، اتہام بالکذب، خطائے فاحش وغیرہ سے حدیث
ضعیف ہوئی ہے تو تعدد طرق سے بھی وہ حسن کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتی ہے یہی
معنے ہیں اہل فن کے اس قول کے کہ "ان لحوق الضعیف بالضعیف لایفید قوۃ"

Marfat.com

کیونکہ اگر اسکے یہ معنے نہوں تو بظاہر معنے میں فساد لازم آتا ہے۔

(فائدہ۔ اوپر کہا گیا ہے کہ تعدد طرق سے ضعف کا جبر نقصان ہو کر وہ حسن کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے، اور یہاں انکا قول ہے کہ ان لحوق الضعیف الخ یعنے ضعیف کے ساتھ ضعیف ملنے سے کچھ فائدہ نہیں مرتب ہوتا یہ دونوں قولوں میں بظاہر تناقض ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ شذوذ اور اتہام بالکذب وغیرہ سے اگر وہ ضعیف ہو تو وہ مطلقاً غیر مقبول ہے اور تعدد طرق سے اسکا جبر نقصان نہیں ہو سکتا ہے اسکے علاوہ دیگر وجوہات مذکورہ سے اگر ضعف ہوا ہو تو تعدد طرق سے اس کا جبر نقصان ہو جاتا ہے)

(فائدہ۔ قولہ الضعیف معتبر فی فضائل الاعمال الخ علامہ عبدالحیؒ نے ظفر الامانی میں لکھا ہے کہ مذکورۂ بالا عبارت کے معنی یہ ہیں کہ جو اعمال صحیح حدیث سے ثابت ہیں اور جن مندوبات کے فاعل ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور تارک سے کسیطرح کی باز پرس نہیں ہوتی ہے۔ ان کے فضائل میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا اور اسکے فضائل میں حدیث ضعیف کا بیان کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس سے عمل پر کسی فساد کا خوف نہیں۔ اسلئے کہ نفس عمل تو دلیل صحیح ہی سے ثابت ہے، اور مندوب مندوب ہی ہے۔ لیکن معہذا حدیث ضعیف پر عمل کرنیکیلئے تین شرطین ہیں، چنانچہ علامہ سیوطی نے "شرح تقریب نووی" میں علامہ سخاوی نے "القول البدیع" میں اس کا ذکر کیا ہے، وہ یہ ہیں۔ اول اس حدیث میں شدت ضعف نہو، یعنے اسکے کوئی طرق میں کذاب اور متہم بالکذب نہوں، دوم وہ حدیث شرع کی کسی عام قاعدہ کے ماتحت ہو۔ سوم اسحدیث سے جو عمل ثابت ہوتا ہے اسکے سنت ہونیکا

Marfat.com

اعتقاد نہ رکھے، و التفصیل فی تدریب الراوی للسیوطی ص۱۰۸ مطبوعہ خیر مصر

فصل — لما تفاوتت من مراتب الصحیح و الصحاح الخ

مذکورۃ الصدر بیان سے معلوم ہو گیا ہے کہ صحاح کے مراتب متفاوت ہیں، اور بعض بعض سے اصح ہے۔ اس سلسلہ میں علماء نے کتب ستہ کی درمیانی نسبت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فن حدیث کی تمام کتب مؤلفہ میں صحیح بخاری اعلیٰ و اقدم ہے حتے کہ بعضوں نے کہا ہے کہ بجز کتاب اللہ کے آسمان کے نیچے جتنی کتابیں ہیں ان میں سب سے اصح صحیح بخاری ہے۔ مگر بعض مغاربہ نے صحیح مسلم کو بخاری پر ترجیح دی ہے کیونکہ اسکی ترتیب وغیرہ بہت اچھی ہے، لیکن جمہور کہتے ہیں کہ حسن بیان، جدت وضع، جودت ترتیب وغیرہ کے لحاظ سے مسلم کو ترجیح دیجاتی ہے۔ حالانکہ یہ ما نحن فیہ سے خارج ہیں۔ کیونکہ کلام یہاں صحت و قوت میں ہے۔ اسی اعتبار سے بخاری کی ہمسری کیلئے کوئی دوسری کتاب نہیں ہے۔ بلکہ اسکا رتبہ سب سے بالا ہے۔ اس دعوے کی بین دلیل یہ ہے کہ اسکے رواۃ کے ثقہ ہونیکی، ان کے رجال کے قوی ہونیکی امام بخاری نے بہت مشکل، ادق و اہم اور سخت شرطیں کیں، جسکی نظیر نہیں پائی جا سکتی اس وجہ سے اسکا رتبہ اعلیٰ و احسن ہے، اور بعض محدثین نے انمیں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے سے سکوت اختیار کیا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ صحیح بخاری اعلیٰ ہے واضح ہو کہ جس حدیث کی روایت پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے اسکو متفق علیہ کہا جاتا ہے۔ لیکن شیخ ابن حجر عسقلانی نے اسمیں یہ شرط کی ہے کہ اگر وہ حدیث ایک ہی صحابی سے ہو تو متفق علیہ ہے۔ محدثین کہتے ہیں کہ تمام احادیث متفق علیہا

مجموعہ دو ہزار تین سو چھبیس (۲۳۲۶) ہیں یہ اور تمام حدیثوں سے اقدم ہیں۔ بعد ازاں مفردات بخاری کا درجہ ہے (مفردات بخاری سے مراد وہ حدیث ہے جو صرف بخاری کی روایت میں ہے) بعد ازاں مفردات مسلم، پھر اسکے بعد اس حدیث کا درجہ ہے جو بخاری و مسلم کی شرط پر ہے۔ اسکے بعد جو صرف بخاری کی شرط پر ہے، پھر وہ حدیث جو مسلم کی شرط پر ہے۔ اسکے بعد وہ حدیث ہے جس کے استخراج دیگر ائمہ حدیث نے کیا بشرطیکہ انھوں نے صحت کا التزام کیا ہو۔ پس مجموعہ اسکی سات قسمیں ہیں

(فائدہ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادت کی مقدمہ میں لکھا ہے کہ بخاری کی روایت پر دوسری روایتوں کو ترجیح دیجاسکتی ہے مثلاً اگر مسلم کی کوئی حدیث حد تواتر و شہرت میں پہنچی ہو اور وہ ان ائمہ کی موافق بھی ہو جنہوں نے صحت کا التزام کیا ہے تو ایسی حدیث کو بخاری کی حدیث پر ترجیح ہوگی

محقق امام کمال الدین ابن الہمام نے فتح القدیر میں اس مسئلہ پر محققانہ بحث کی ہے چنانچہ وہ رقمطراز ہیں کہ محدثین کی متفق علیہ حدیث کو اقدم و اصح اور بخاری کی روایت کو مقدم سمجھنا تحکم و غیر جائز ہے۔ ان کی تقلید کسی پر ضروری نہیں ہے کیونکہ اگر ان شرائط کو دیگر محدثین بھی مدنظر رکھیں، تو انکی روایت اصح و صحیح ہوگی باوجود اسکے انکی روایت پر اصح و صحیح ہونیکا حکم نہ دینا تحکم و مکابرہ ہے۔ اور بخاری کے تمام رواۃ میں ان سب شرائط کا علی وجہ الکمال قطعاً و یقیناً موجود ہونے کا دعویٰ و اعتقاد رکھنا ممکن ہے کہ خلاف واقع ہو، کیونکہ اسپر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔ امام مسلم نے ایسے لوگوں سے بھی حدیث لی ہے جو غوائل و جرح سے سالم نہیں تھے، اسیطرح امام بخاری کے رواۃ پر بھی لوگوں نے کلام کیا ہے تو پھر اسکی باوجود

Marfat.com

ان کی روایت پر قطعاً وجزماً صحیت واقدمیت کا حکم لگانا بلاشک تحکم ہے۔

قال فی شرح شرح النخبۃ - قال المحقق ابن الھمام وبحر العلوم وقول من قال اصح الاحادیث ما فی الصحیحین ثم ما انفرد بہ البخاری ثم ما انفرد بہ مسلم ثم ما اشتمل علی اشراطھما الخ تحکم، لا یجوز التقلید فیہ - یعنی شرح شرحِ نخبہ میں ہے کہ محقق ابن الہمام اور بحر العلوم رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ لوگوں کا قول کہ صحیحین کی حدیث سب سے اصح واقدم ہے، بعد ازاں جو صرف بخاری میں ہے، اس کے بعد جو صرف مسلم میں ہے الخ محض تحکم اور دعوی بلا دلیل ہے اسکی تقلید جائز نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انکے علاوہ اور کتابوں کی حدیث پر بھی اقدمیت کا حکم ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم)

شرطِ بخاری ومسلم کے یہ معنے ہیں کہ رجال احادیث ان صفات کے ساتھ متصف ہوں جنکے ساتھ بخاری ومسلم کے رواۃ متصف ہیں اور وہ صفات یہ ہیں کہ راوی کا تام الضبط، عادل ہونا، روایت کا شاذ ومعلل نہونا، بعضوں نے کہا ہے کہ شرطِ بخاری ومسلم سے مراد انکے رجال ہیں، اسمیں کلام بہت طویل ہے، شرح سفر السعادات کے مقدمہ میں میں نے اسکو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(فائدہ۔ واضح ہو کہ شیخ نے مقدمہ شرح سفر السعادت میں یوں لکھا ہے کہ شرطِ بخاری ومسلم سے مراد وہی ہے جو اوپر گذر چکا، بظاہر یہی صحیح معلوم ہوتا ہے اور موافق مقصود بھی یہی ہے۔ کما لا یخفےٰ۔

لیکن علامہ سخاوی نے امام نووی، ابن دقیق العید اور ذہبی کا قول نقل کر کے لکھا ہے کہ شرطِ بخاری ومسلم سے مراد یہ ہے کہ شیخین نے اپنی کتابوں میں جن

اسانید سے احادیث لائی ہیں وہی اسانید کے رجال ہیں، یعنے اگر کہا جائے کہ هذا علی شرط البخاری، یہ بخاری کی شرط پر ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ حدیث بخاری کے رجال سے مروی ہے، اگر کہا جائے کہ یہ مسلم کی شرط پر ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ مسلم کے رجال سے مروی ہے، دراصل اس معنے کو شیخ ابن الصلاح نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے، دوسروں نے اس کی تبعیت و پیروی کی، کیونکہ حاکم صاحب مستدرک کو بخاری کے رجال سے اگر کوئی حدیث پہنچتی تو وہ کہتے کہ هذا علی شرط البخاری یعنے یہ بخاری کی شرط پر ہے، اگر مسلم کے رجال سے ملتی تو کہتے کہ هذا علی شرط المسلم، علی هذا القیاس۔ اس سے بھی معنی مذکور کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن یہ موجب تامل ہے ہاں علامہ سخاوی نے بھی شرح الفیہ میں اس معنے کو بہت تقویت دی ہے۔ لکن فیہ ما فیہ)

فصل: الاحادیث الصحیحۃ لم تنحصر فی صحیحی البخاری الخ

واضح ہو کہ صحیح حدیثیں صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں منحصر نہیں ہیں اور نہ یہ دونوں کتابیں تمام احادیث صحیحہ کے حاوی ہیں بلکہ انکے علاوہ بہت سی ایسی کتابیں بھی ہیں جنمیں احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ یہ دونوں صحاح میں منحصر ہیں۔ اور جو صحیح حدیثیں انکے پاس ہیں اور انکی شرائط کے مطابق پائی جاتی ہیں۔ ان حدیثوں کو بھی بالاستیعاب انھوں نے اپنی کتابوں میں ذکر نہیں کیا، چہ جائیکہ ان احادیث کو بھی لائے جو دیگر ائمہ کرام کی شرائط

کے مطابق ہیں - چنانچہ امام بخاریؒ خود فرماتے ہیں کہ میں اپنی کتاب میں بجز احادیث صحیحہ کے نہیں لایا۔ مگر بہت ساری صحاح حدیثیں چھوڑ بھی دیں - امام مسلم کا مقولہ ہی کہ میں نے اس کتاب میں جتنی حدیثوں کا ذکر کیا وہ سب صحیح ہیں - مگر یہ نہیں کہ میری متروکہ حدیثیں سب ضعیف ہیں اور انکی اس ترک و اتیان میں بالضرور کوئی وجہ مخفی ہوگی ممکن ہے کہ صحت کا ملہ یا اور کوئی مخصوص سبب انکا ملحوظ ہو۔

حاکم عبد اللہ نیشاپوری نے ایک کتاب لکھی ہی - جسکا نام المستدرک ہے - اس نام سے اشارہ ہے کہ امام بخاری اور مسلم نے جن حدیثوں کو چھوڑ دیا انھوں نے ان تمام حدیثوں کو اس کتاب میں جمع کیا ہے - اور انکی بعض کو انھوں نے بخاری کی، اور بعض کو مسلم کی اور بعض کو دونوں کی جامع اور مشترک شرطوں پر پایا حاکم کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے کبھی ایسا حکم نہیں کیا کہ تمام صحیح حدیثیں ہملوگوں نے اپنی کتابوں میں جمع کر دیں - اور نہ اسکے علاوہ دنیا میں کہیں صحیح حدیث نہیں ہی بلکہ اسکے سوا بھی صحاح حدیث موجود ہیں - حاکم نے کہا ہے کہ اس زمانہ میں اہل ہوا و اہل بدعت کے چند ایسے گروہ پیدا ہو گئے جو اپنی زبانوں کو ائمہ دین پر دراز کر بیٹھے ہیں اور اُن پر بیدریغ طعن مارنے لگتے ہیں کہ تمام صحیح حدیثیں جو تمہارے پاس ہیں دس ہزار بھی نہیں - حالانکہ امام بخاری رح سے مروی ہے کہ میں نے ایک لاکھ صحیح حدیثیں حفظ کیں - اور غیر صحاح سے دو لاکھ - وھما متناقضان مگر بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوف صحیح سے یہاں مراد لیتے ہیں کہ جو اُن کی شرائط کے مطابق ہوں فلا منافات بینھما اور صحیح بخاری میں جتنی حدیثیں موجود ہیں ان کی تعداد با تکرار سات ہزار دو سو پچھتر تک

پہنچتی ہے۔ مکررات کو نظرانداز کرنے سے صرف چار ہزار رہتی ہیں۔

(فائدہ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ انکا یہ اعتراض بالکل پوچ و ہیچ ہے کیونکہ ان حدیثوں کے بخاری کی شرط پر صحیح ہونے کی مراد پر کوئی نص نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ احادیث فی نفسہا صحیح ہیں۔ مگر امام موصوف کی شرط پر نہیں۔ خود بخاری کا مقولہ ما ترکت لیس بضعیف اس پر دال ہے۔ چنانچہ تاریخ کبیر وغیرہ میں بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جو صحیح میں نہیں ہیں) بجز شیخین کے اور دوسرے محدثین نے بھی صحیح حدیثوں میں کتابیں تصنیف کیں مثلاً صحیح ابن خزیمہ، شیخ ابن خزیمہ امام الائمہ تھے، اور امام ابن حبان کے شیخ تھے، ان کے متعلق علامہ ابن حبان فرماتے تھے کہ صناعت سنن میں احسن اور الفاظ حدیث کے احفظ ان سے بڑھکر روئے زمین پر میں نے کسی کو نہیں دیکھا گویا سارے سنن ان کے نصب العین تھے۔

امام ابن حبان جو ابن خزیمہ کے شاگرد تھے، ثقہ، فاضل، اور امام فہیم ہیں حاکم نے ارقام کیا ہے کہ ابن حبان علم حدیث و علم لغت وغیرہ کے ماہر بلکہ علوم کے خزینہ تھے انکی علاوہ دیگر ائمہ کرام کی کتابیں بھی ہیں۔ منجملہ انکی صحیح حاکم المستدرک ہے لیکن اسکے مصنف حاکم پر لوگوں نے تساہل کا الزام لگایا ہے، محدثین فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ و ابن حبان حاکم سے اقوی و امکن اور اسناد و متن میں اجود و احسن ہیں انمیں سے حافظ ضیاء الدین مقدسی کی المختارہ نامی کتاب بھی ہے، انہوں نے ایسی حدیثوں کو جمع کیا ہے جو صحیحین میں نہیں ہیں۔ اسپر اہل فن کی یہ رائے ہے کہ انکی کتاب المستدرک للحاکم سے کہیں بڑھ چڑھکر ہے۔ منجملہ انکے صحیح ابن عوانہ، صحیح ابن السکن، المنتقی لابن جارود

Marfat.com

بھی ہیں، یہ تمام کتابیں صحاح کیلئے مختص ہیں۔ لیکن علماء کی ایک جماعت نے ان کتابوں پر تنقیدیں کیں، بعض نے تعصب سے، بعض نے انصاف سے، وفوق کل ذی علم علیم۔

(فائدہ۔ جو شخص ایک لاکھ حدیثوں کو ضبط و احاطہ کرلے اُسکو حافظ کہا جاتا ہے۔ اور جو تین لاکھ حدیثوں کو حفظ کے احاطہ میں لائے اُسی حجت کہا جاتا ہے اور جو متناً و سنداً و تعدیلاً جمیع احادیث مرویہ کو احاطۂ علم میں لایا ہے وہ حاکم ہے، ناقل حدیث و سند کو راوی کہا جاتا ہے۔ کذا فی شرح المختصر)

فصل الکتب الستۃ المشہورۃ الخ

اسلام میں جو کتابیں صحاح ستہ کے نام سے مشہور ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ اوّل بخاری، دوم صحیح مسلم، سوم جامع ترمذی، چہارم ابوداؤد، پنجم نسائی، ششم ابن ماجہ، بعضوں نے بجائے ابن ماجہ کے مؤطا امام مالک کو صحاح ستہ میں شمار کیا ہے۔ صاحب جامع الاصول نے بھی اسیکو مختار سمجھا ہے۔ اور کتب اربعہ سنن یعنے صحیحین کے علاوہ اور چار کتابوں کی حدیثیں ہیں، بعض صحیح ہیں، بعض حسن، اور بعض ضعیف معہذا تغلیباً صحاح کے نام سے موسوم ہیں، صاحب مصابیح نے شیخین کے علاوہ دیگر کتابوں کی مندرجہ حدیثوں کو حسان کہا ہے یہ اس لحاظ سے صحیح ہے، نیز باعتبار لغت بھی چسپاں ہے۔ لیکن یہ محض ایک اصطلاح ہے۔

بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ سنن دارمی سنن ابن ماجہ کی بجائے چھٹوا ں درجہ میں ہونیکے زیادہ لائق ہے، کیونکہ اسمیں ضعیف بہت کم ہیں اور شاذ و منکر روایتوں کا وجود بالکل نادر اور انکے اسانید عالیہ بھی ہیں۔ انکی ثلثیات بخاری کی ثلثیات سے زیادہ ہیں

Marfat.com

جاننا چاہیئے کہ کتب مذکورہ بالا صحاح کی مشہور کتابوں میں سے ہیں۔ ورنہ ان کے علاوہ صحاح میں اور بھی بہت ساری کتابیں ہیں۔

(فائدہ۔ کشف الظنون وغیرہ میں انکی مکمل فہرست موجود ہے۔ آئندہ صفحوں میں اسکا مختصر بیان آتا ہے)

بعضوں کے نزدیک صحاح ستہ کی ترتیب یہ ہے۔ اوّل بخاری، دوم مسلم، سوم ابوداؤد، چہارم نسائی، پنجم ترمذی، ششم ابن ماجہ، لیکن بعضوں نے کہا ہے کہ تیسرا درجہ نسائی کا ہے۔ کیونکہ امام نسائی کہتے ہیں کہ میں نے سنن صغری میں جتنی حدیثوں کو لیا ہے وہ سب صحیح ہیں، اور ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے جتنی حدیثوں کا استخراج کیا وہ عمل کے لئے صالح ہیں، اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں حسن بھی ہیں اور صحیح بھی اور نسائی کی سب حدیثیں صحیح ہیں۔ تو اس بنا پر نسائی کو ابوداؤد پر ترجیح ہونی چاہیئے، اور ترمذی پانچویں درجہ میں ہے۔ حافظ سراج الدین قزوینی حنفی نے کہا ہے کہ جامع ترمذی میں تین حدیثیں موضوع ہیں۔ لیکن محدثین اس سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ اور اسپر وضع کا حکم نہ دیکر اسے قبول کر لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ موضوع نہیں۔ ہاں اشد ضعیف ہیں۔ اگر اس بات کی طرف خیال کیا جائے کہ ترمذی اکثر حدیثوں پر حسن، صحیح، ضعیف، غریب، ونحو ذلک کی تصریح کر دیتے ہیں بخلاف ابوداؤد کے کہ اُن کی یہ عادت بہت کم ہے، اس لحاظ سے ترمذی کو ابوداؤد پر فوقیت ہونی چاہیئے۔ ہاں بحسب اجمال ابوداؤد ترمذی سے اعلیٰ وانسب ہے، علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ حافظ

Marfat.com

ذہبی کہتے ہیں کہ مصلوب و کلبی و نحو ہما کی حدیثوں کی استخراج کے سبب سے ترمذی کا رتبہ ابوداؤد اور نسائی سے گر جاتا ہے، ورنہ صناعت حدیث میں اُن سے کسی کی مشارکت نہ تھی۔ چھٹا درجہ ابن ماجہ کا ہے، ایک جماعت قائل ہیں کہ ابن ماجہ صحاح ستہ میں داخل نہیں۔ کیونکہ اسمیں بائیس حدیثیں موضوع ہیں۔ اسلئے اسکی بجائے مؤطا امام مالک کو شمار کرنا چاہیے)

(فائدہ۔ واضح ہو کہ علو اسناد یعنے اسناد کی بلندی و مزیت ہے۔ نووی نے تقریب میں لکھا ہے کہ علو اسناد کی چند اقسام ہیں۔ سب سے اعلیٰ و احسن یہ ہے کہ اسناد صحیح کے ساتھ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے قربت حاصل کرنا۔ مثلاً کوئی تابعی دوسرے تابعی سے ایک حدیث سنتا ہے، اس عہد میں ایک صحابی بھی موجود ہیں۔ اس حالت میں تابعی کی سند پر اکتفا نہ کرکے صحابی مذکور سے بھی اسکی سند حاصل کرلے، تو گویا اس شخص نے اخذ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت حاصل کی اور بہ نسبت سند سابق کے اس سند میں اسکو رفعت و بلندی حاصل ہوئی ہے، اسیکو اسناد عالی کہتے ہیں۔ دوم ائمۂ حدیث مثلاً اعمش، اوزاعی، مالک، شعبہ میں سے کسی کی قربت حاصل کرنیکو بھی علو اسناد کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اسکی اور بھی صورتیں اپنی جگہ میں مذکور ہیں۔ ثلاثیات مثلاً بخاری تین راویوں کے توسل سے ایک روایت کرتا ہے کہ حدثنا المکی ابن ابراہیم قال نا یزید بن ابی عبید قال کنت مع سلمۃ بن الاکوع فیصلی عند الاسطوانۃ الحدیث اسی کو ثلاثیات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔)

(فائدہ۔ واضح ہو کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے عجالہ نافعہ میں لکھا ہے کہ مؤلفات علم حدیث کی چند اقسام ہیں جو کتاب شعر سیر و آداب و تفسیر و عقائد،

Marfat.com

فتن واحکام واشراط ومناقب، کی حاوی ہوتی ہے وہ جامع ہے۔ مثلاً جامع الترمذی وجامع البخاری، (۲) جو ابواب فقہ کی ترتیب کیطرح صرف احکام کے ساتھ مشتمل ہے وہ سنن ہے، مثلاً سنن ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، وکذا الترمذی تغلیباً، (۳) حسب ترتیب صحابہ جسمیں حدیثوں کو جمع کیا گیا۔ مثلاً اولا مرویات ابوبکر۔ بعد ازاں مرویات عمر رضی اللہ عنہم ونحوہم کو بیان کیا گیا۔ وہ مسند ہے۔ مثلاً مسند احمد وغیرہ، (۴) شیوخ کی حدیث جسمیں مرتب بیان کیجاتی ہے وہ معجم ہے (۵) جو ایک خاص مسئلہ سے متعلق احادیث کے حاوی ہو وہ جزء ہے۔)

(فائدہ دیگر) - واضح ہو کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے عجالۂ نافعہ میں لکھا ہے کہ باعتبار صحت وشہرت اور رد وقبولیت جملہ کتب احادیث چار طبقہ پر ہیں

طبقہ اولی - اس طبقہ میں حدیث کی تین کتابیں ہیں اول مؤطا مالک، دوم صحیح بخاری سوم صحیح مسلم، قاضی عیاض نے ان تینوں کتابوں کی شرح میں مشارق الانوار لکھی ہے، ان کتابوں کو ضبط کرنیکیلئے مشارق الانوار کافی وشافی ہے۔

آپس میں ان تینوں کتابوں کی نسبت یہ ہے کہ مؤطا امام مالک گویا اصل وام الصحیحین ہے۔ اسکی شہرت وقبولیت اس حد تک پہنچی ہے کہ امام مالکؒ سے ہزار لوگوں نے اسکی روایت کی ہے۔ اسکے نسخہ جات بہت ہیں۔ حضرت شاہ موصوفؒ نے بستان المحدثین میں اسکے سولہ نسخوں کے احوال بتفصیل بیان کئے ہیں۔ امام زرقانی نے شرح مؤطا میں لکھا ہے کہ بیس نسخے ہیں اور بعضوں لکھا ہے کہ تیس نسخے ہیں۔

گو صحیحین بسط وکثرت احادیث میں مؤطا سے دہ چند ہیں مگر انہوں نے طریق روایت وتمیز رجال اور سبیل اعتبار واستنباط مؤطا سے اخذ کیا ہے۔ بہرکیف ان تینوں

Marfat.com

کتابوں کی حدیثیں اصح الاحادیث ہیں۔

طبقہ ثانیہ، اس طبقہ میں وہ کتابیں ہیں جنکی حدیثیں صحت اور رد و قبولیت میں صحیحین کے درجہ میں تو نہیں پہنچیں لیکن انکے قریب ضرور ہیں، مثلاً جامع ترمذی سنن ابوداؤد، سنن نسائی، ان کتابوں کے مصنفین ضبط، عدالت، اور حفظ واتقان میں مشہور ہیں، ان لوگوں نے بقدر امکان حدیث کی حالت اور علتوں سے بحث کی ہے، اسلئے اسلام میں انکی عام شہرت و مقبولیت ہے، ابن الاثیرؒ "جامع الاصول" میں ان چھ کتابوں کی حدیثوں کی تشفی بخش شرح لکھی ہے، اور متعلقات حدیث کو بیان کیا ہے، پس جامع الاصول گویا جامع کتب ستہ مذکورہ ہے، انھوں نے ماسبق چھ کتابوں کو صحاح ستہ کرکے لکھا ہے اور ابن ماجہ کو اس سے ساقط کر دیا ہے، اور یہی حق ہے،

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے کہا ہے کہ مسند احمد بھی طبقہ ثانیہ کی کتاب ہے، اسی طرح ابن ماجہ کو بھی اس طبقہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ والحق ہو الاول۔

طبقہ ثالثہ۔ اس طبقہ میں وہ کتابیں ہیں جنکے مصنفین خود تو زیادت علم اور وثوق و عدالت، ضبط و اتقان، میں مشہور تھے، مگر صحت کے ملتزم نہ تھے منجملہ ان کے مسند شافعی، مسند دارمی، سنن ابن ماجہ، مسند ابو یعلے، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابوبکر ابن ابی شیبۃ، مسند عبد بن حمید، مسند ابوداؤد الطیالسی، سنن دارقطنی، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، کتب بیہقی، کتب طحاوی، تصانیف طبرانی، ہیں۔

طبقہ رابعہ۔ اس طبقہ میں وہ حدیثیں ہیں جنکے قرونِ سابقہ میں نام و نشان بھی نہ تھے۔ مگر متاخرین انکی روایت کرتے ہیں۔

وہ حدیثیں دو حال سے خالی نہیں، یا متقدمین میں انکی تلاش کی۔ اور بوجہ عدم ثبوت اصل ان کو ترک کر دیئے۔ یا اصل تو تھا مگر علت و نکارت کیوجہ سے چھوڑ دیئے، بہرکیف وہ حدیثیں قابل وثوق و اعتماد نہیں ہیں۔

اس قسم کی کتابیں بکثرت ہیں منجملہ ان کے کتاب الکامل لابن عدی، تصانیف ابن مردویہ، تصانیف خطیب، کتاب الضعفاء لابن حبان، کتاب الضعفاء للعقیلی، تصانیف الحاکم، تصانیف ابن شاہین، تفسیر ابن جریر، فردوس دیلمی بلکہ اُنکی تمام تصانیف اس طبقہ میں ہیں، تصانیف ابی نعیم، تصانیف جوزقانی، تصانیف ابن عساکر، تصانیف ابو الشیخ، تصانیف ابن نجار ہیں۔

مآیہ تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی یہ کتابیں ہیں کہ اپنے رسائل و نوادر میں اُن کتابوں کی حدیثوں سے استدلال و استنباط کئے ہیں، رطب و یابس میں یہ بہت کم فرق کرتے ہیں۔ اسلئے انکی تصانیف پر چنداں اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔

مندرجہ بالا کتابوں کی احادیث کی تحقیق و تفتیش کیلئے میزان الضعفاء للذہبی موضوعات ابن جوزی، مقاصد حسنہ للسخاوی، موضوعات کبیر لملا علی قاری اور اللالی المصنوعہ للسیوطی مع ذیل اللالی، کو مطالعہ کرنا چاہیئے۔

اور ان کتابوں کے رجال کے احوال معلوم کرنیکیلئے لسان المیزان لابن حجر العسقلانی، میزان الاعتدال للذہبی، تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی، تقریب التہذیب، الاستیعاب، تجرید الصحابہ، تذکرۃ الحفاظ وغیرہ کا مطالعہ کرنا چاہیئے

علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب مسمی بہ جمع الجوامع میں حدیث کی مستند کتابوں سے بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں جن کتابوں سے وہ حدیث نقل کرتے ہیں انکی تعداد کوئی پچاس سے زائد ہوگی، وہ بھی صحیح حسن اور ضعیف پر مشتمل ہیں، امام سیوطی فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی کتاب میں ایسی کوئی حدیث نہیں لی جس پر وضع کا داغ لگا ہو، اور جس کو ترک کرنے پر محدثین نے اتفاق رائے کیا ہو۔

صاحب مشکوٰۃ نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں ائمہ مقننین کے ایک زمرہ کا ذکر کیا ہے جنمیں امام بخاری، امام مسلم، امام مالک امام شافعیؒ امام احمد بن حنبل، امام ترمذی، امام ابو داؤد، امام ابن ماجہ، امام دارمی، امام دار قطنیؒ امام بیہقی اور رزین رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اور ان کے علاوہ دیگر ائمہ کا ذکر بالاجمال کیا ہے میں نے اپنی دوسری تصنیف میں تفصیل کے ساتھ انکے حالات پر روشنی ڈالی ہے، بنا بر اختصار کے یہاں اس کو قلم انداز کرتا ہوں واللہ الموفق و المستعان المعین۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علیٰ خاتم المرسلین وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین۔

کیفیۃ۔ واضح ہو کہ بندہ ابو نصر محمد نجیب اللہ ابن الحاج مولانا محمد نور اللہ قاسم نگری نے شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے رسالہ ہذا کی سند عالی جناب استاد الاساتذہ بحر العلوم، فخر المحدثین حضرت مولانا الشاہ محمد حسین نسلیہٹی صاحب دام اللہ فیضہم مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ سے حاصل کی ہے اللھم اغفر لی ولوالدی وارحمھما کما ربیانی صغیرا، ولاساتذتنا وجمیع المؤمنین اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

فائدہ۔ ماخوذ از اشعۃ اللمعات، تعلیق ممجد تبییض الصحیفہ، مقدمہ بخاری دفیات وغیرہ

اسمائے ائمہ کرام	سنہ ولادت	سنہ وفات	مختصر کیفیات
امام بخاری رح	۱۹۴ھ	۲۵۶ھ	انکا نام محمد کنیت ابو عبداللہ انکے والد کا نام اسمعیل امام ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل، فن حدیث کے امام و پیشوا ہیں، اسلئے محدثین امیر المومنین فی الحدیث ناصر الاحادیث النبویہ ناشر المواریث المحمدیہ وغیرہ لقب سے انکو یاد کرتے ہیں، بہت بڑی مستجاب الدعوات تھے بچپن میں نابینا تھے مگر ان کی ماں کی دعا سے خدا نے پھر آنکھیں بخشیں، ابتدا میں بہت بڑے متمول تھے اپنے والد کے میراثی اموال کو فی سبیل اللہ صرف کر دیا قلیل الاکل تھے کبھی روزانہ دو تین بادام پر اکتفا کر لیتے تھے، ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے چالیس سال تک نان خشک پر زندگی بسر کی، بیمار پڑنے سے طبیبوں نے شربت کی تشخیص کی، سب سے پہلے صحیح مجرد میں امام بخاری کی تصنیف ہے، ایک دفعہ امام مسلم رح ان کی ملاقات کیلئے پہونچے اور انکی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا کہ دعنی اقبل رجلیک یا استاذ الاستاذ و یا سید المحدثین یعنے اے سید

Marfat.com

اسمائے ائمہ کرام	سنہ ولادت	سنہ وفات	مختصر کیفیات
			امحدثین، یعنے اے محدثین کے سردار اور اساتذہ کے استاد مجھے اپنی قدمبوسی کا موقع دیجئے، بجز صحیح کے انکی اور تصنیفات بھی ہیں۔ مثلاً ادب المفرد، رفع یدین فی الصلوٰۃ۔ قرأۃ خلف الامام، برالوالدین، تاریخ کبیر تاریخ اوسط، تاریخ صغیر خلق افعال عباد، کتاب الضعفاء، جامع کبیر، مسند کبیر تفسیر کبیر، کتاب الاشربۃ، کتاب الہبۃ، اسامی صحابہ، کتاب وحدان، کتاب علل، کتاب کنی، کتاب مبسوط، کتاب فوائد وغیر ذلک، کسی نے کہا، میلادہ صدق ۱۹۴ھ، مدۃ عمرہ فیہا، حمید ۶۲، والقضی فی النور ۲۵۶، انتہی
امام مسلم رح	سنہ ۲۰۴ھ	سنہ ۲۶۱ھ	انکی کنیت ابوالحسن، نام مسلم، والد کا نام حجاج قشیری ہے، فن حدیث میں امام بخاری رح کے بعد انکا رتبہ ہے امام ابوعمرو کہتے ہیں کہ میں نے ابوالعباس بن عقدہ سے پوچھا تھا کہ بخاری و مسلم میں کون زیادہ علم رکھتا تھا انھوں نے جواب دیا کہ بخاری بھی عالم تھے، مسلم بھی عالم تھے میں نے دوبارہ پوچھا پھر بھی یہی جواب ملا مگر اخیر میں انھوں نے کہا کہ بخاری شامیدہ کے متعلق غلطی کرتے ہیں کبھی ایک شخص کا ذکر نام سے کرتے ہیں اور

Marfat.com

اسمائے ائمہ کرام	سنہ ولادت	سنہ وفات	مختصر کیفیات
			کبھی کنیت سے، اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بظاہر اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ دو آدمی ہیں حالانکہ ہی ایک ہی آدمی، لیکن مسلم سے یہ شبہ نہیں ہوتا ہے لیکن دار قطنی نے کہا ہے کہ اگر بخاری کا وجود نہیں ہوتا تو مسلم کو نہیں دیکھا جاتا، بالجملہ مسلم مقننین و حفاظ حدیث میں سے تھے۔
امام مالک رح	سنہ ۹۱ یا ۹۴ھ	سنہ ۱۷۹ھ	کنیت ابو عبداللہ، نام مالک والد کا نام انس، فقیہ و محدث تھے، انکے متعلق امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ لولا مالک و ابن عیینۃ لذھب علم اہل الحجاز یعنے اگر امام مالک و ابن عیینہ نہ ہوتے تو حجازیوں سے علم اٹھ جاتا، نیز امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ امام مالک علما میں ستارہ تھے۔ ان کی کتاب مؤطا کے متعلق امام شافعی فرماتے تھے کہ ما تحت ادیم السماء اصح من موطاء مالکؒ اگر کوئی شخص انکے گھر میں طلب علم کیلئے آتا تو انکا دستور تھا کہ اپنی لونڈی سے دریافت کرواتے کہ وہ شخص فتوی طلب کرتا ہے یا حدیث سننا چاہتا ہے۔ اگر وہ شخص فتوی طلب کرتا تو امام موصوف گھر سے نکلتے اور اس کو جواب دیدیتے اور

Marfat.com

اسمائے ائمہ کرام	سنہ ولادت	سنہ وفات	مختصر کیفیات
			اگر کہتا کہ میں حدیث سننا چاہتا ہوں تو اس کو غسل دلواتے، پاک و لباس فاخرہ پہنواتے اور خود خوشبو لگا کر اور عمدہ لباس پہنکر نکلتے اور عزت و وقار کے ساتھ آکر مسند پر جلوس فرماتے اور اسکو بلوا کر حدیث سنا دیتے امام موصوف علم دین کی بہت عزت کرتے تھے۔ اسمیں چند قصے جو خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ گزرے مشہور ہیں۔
امام شافعیؒ	۱۵۰ھ	۲۰۴ھ	ابو عبداللہ محمد بن ادریس، سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا، دس سال کی عمر میں مؤطا امام مالک پڑھا پندرہ سال کی عمر میں علمائے عصر نے انکو فتوی دینے کی اجازت دی، یہ امام مالک کے جلیل القدر شاگردوں میں سے تھے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ میں نے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناسخ کو منسوخ سے اور خاص کو عام سے مجمل کو مفصل سے نہیں پہچانا مگر جب کہ شافعی کے درس میں شریک ہوا۔ امام احمد ہر نماز کے بعد فرماتے تھے اللھم اغفر لی ولوالدی ومحمد بن ادریس نیز وہ فرماتے تھے کہ تیس سال تک ایسی

اسمائے ائمہ کرام	سنہ ولادت	سنہ وفات	مختصر کیفیات
			کوئی رات نہیں گذری کہ جسمیں میں نے شافعیؒ کے … استغفار و دعا نہیں کی حسن کا قول ہے کہ احمد بن حنبل … شافعی کے درس میں برابر بیٹھے رہتے تھے، امام شافعی … فرماتے تھے کہ زینۃ العلماء التقوی و حلیتہم حسن الخلق و جمالہم کرم النفس، امام محمد بن حسن شیبانی فرما[تے] تھے کہ ایک دفعہ انھوں نے مجھ سے عاریۃً ام[ام] ابو حنیفہؒ کی کتاب اوسط لی تھی اور بس ایک ہی … رات میں اس کو حفظ کر لیا ہے۔
امام احمد بن حنبل	سنہ ۱۶۴ھ	سنہ ۲۴۱ھ	ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبلؒ۔ امام شافعی نے بغداد سے واپس ہوتے وقت فرمایا تھا کہ میں بغ[داد] کو چھوڑتا ہوں اور احمد بن حنبل سے اتقی و اور[ع] و اعلم سرزمین بغداد میں کسی کو نہیں چھوڑتا ہو[ں] احمد بن سعید دارمی فرماتے تھے کہ احمد بن حنبل سے زائد حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احف[ظ] میں کسی کو نہیں دیکھا۔ ابو داؤد فرماتے تھے کہ ا[حمد] بن حنبل کی مجلس اخروی مجلس تھی، دنیا سے اس کا کچھ واسطہ نہیں تھا۔
امام اعظمؒ	سنہ ۸۰ھ	سنہ ۱۵۰ھ	ابو حنیفہ نعمان بن ثابت۔ امام الائمہ بہ ابرہ …

اسمائے ائمہ کرام	سنہ ولادت	سنہ وفات	مختصر کیفیات
			قول کے تابعی تھے، کما حققہ ابن حجر العسقلانی و السیوطی و ابن حجر المکی و ابن الجوزی و الدارقطنی و الخطیب و العراقی و علی القاری وغیرہم، امام شافعی فرماتے ہیں کہ الناس فی الفقہ عیال ابی حنیفۃ رح، فتاوی شیخ الاسلام ابن حجر میں مذکور ہے کہ امام اعظم رح صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کی صحبت اٹھائے ہوئے ہیں۔ فن حدیث میں امام ثوری، ابن المبارک حماد بن زید ہشام، وکیع، عباد بن العوام و جعفر بن عون امام اعظم رح کے شاگرد تھے، ھذا ما قالہ علی بن المدینی کذا فی الخیرات الحسان ذکرہ فی التعلیق الممجد علی الموطا للامام محمد محض تعصب و جہالت کے سبب سے بعض لوگوں نے ان پر جرح کی ہے السعی المشکور، تبییض الصحیفۃ، وغیرہ میں یہ بحث مفصل مذکور ہے۔ علامہ سیوطی رح نے تبییض الصحیفہ ع صکا میں لکھا ہے کہ علامہ ابو معشر عبد الکریم الطبری المقری الشافعی نے لکھا ہے کہ امام اعظم نے فرمایا ہے کہ صحابہ کرام میں سے سات اشخاص انس بن مالک رض عبد اللہ بن جریر الزبیدی

ع یہ کتاب مدرسہ رمضانیہ کلکتہ میں موجود ہے

Marfat.com

اسمائے ائمہ کرام	سنہ ولادت	سنہ وفات	مختصر کیفیات
			جابر بن عبد اللہؓ معقل بن یسار واثلہ بن الاسقع عائشہ بنت عجرہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیساتھ میری ملاقات ثابت ہے۔ اور امام نووی و ابن صلاح نے تصحیح کی ہی کہ امام صاحب نے حضرت انسؓ سے بھی تین حدیثیں روایت کی ہیں، حافظ ابن حجر نے ایک فتوے میں لکھا ہے کہ ادرک الامام ابو حنیفہ جماعۃ من الصحابۃ الخ والتفصیل فی التبییض۔ نیز علامہ عینی نے تصریح کی ہو کہ صحابۂ کرام کی ایک جماعت سے امام صاحب کا سماع ثابت ہے۔ امام خوارزمی نے کہا ہے کہ علما کا اتفاق ہو کہ امام صاحب نے صحابہ میں سے چھ یا سات آٹھ (علی اختلاف الاقوال) شخصوں سے ملاقات کا فیض حاصل کیا ہے
امام ابو یوسفؒ	۱۱۳ھ	۱۸۲ھ	قاضی یعقوب بن ابراہیم۔ امام ذہبی نے انکو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہی یحییٰ بن معین، احمد بن حنبلؒ وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔ مزنی کہتے تھے کہ اہل الرای میں ان سے زیادہ حدیث داں بہت کم تھے عباس سے مروی ہو کہ ابو یوسف صاحب حدیث و صاحب سنت تھے، امام احمد فرماتے ہیں کہ ابو یوسفؒ فن حدیث کے منصف تھے، قاضی ہونے کے بعد روزانہ ایک سو

التعصب ہے فقط ۱۲ منہ

اسمائے ائمہ کرام	سنہ ولادت	سنہ وفات	مختصر کیفیات
			رکعات نفل پڑھتے تھے۔ انکے والد فقیر آدمی تھے۔ امام صاحب نے ان کو علمی و روحانی تربیت بخشی ہے۔ ان ہی کی ذات سے امام صاحب کے علوم کی اشاعت ہوئی ہے۔
امام محمد رح	۱۳۲ھ	۱۸۹ھ	امام محمد بن حسن الشیبانی یہ بھی صاحب امام ابو حنیفہ تھے امام شافعی رح سے مروی ہے کہ امام محمد فرماتے تھے کہ میں نے مالک رح کے دروازہ پر تین سال تک اقامت کی اور ان سے سات سو سے زائد حدیثوں کا سماع حاصل کیا، امام شافعی انکی شاگردی کا فخر کرتے تھے۔ فن حدیث میں امام مالک، اوزاعی، مسعر بن کدام، سفیان الثوری، وغیرہم کے شاگرد تھے۔ ان سے مروی ہے کہ میرے والد نے میرے لئے تیس ہزار درہم چھوڑے تھے جسمیں سے میں نے پندرہ ہزار نحو و شعر میں اور پندرہ ہزار حدیث و فقہ میں صرف کردئے۔
ابوداؤد سجستانی رح	۲۰۲ھ	۲۷۵ھ	انکی شان میں موسیٰ بن ہارون فرماتے تھے کہ ابوداؤد رح دنیا میں حدیث کیلئے اور آخرت میں بہشت کیلئے پیدا ہوئے۔ ابو حاتم کہتے تھے کہ ابوداؤد علم فقہ و حفظ حدیث و نسک و ورع و اتقان میں مقتدا تھے۔

Marfat.com

اسمائے ائمہ کرام	سنہ ولادت	سنہ وفات	مختصر کیفیات
ترمذی رح	۲۰۹ھ	۲۷۰ھ	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ انکے جامع سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے رتبہ کے عالم بہت کم گذرے ہیں اسی لئے کسی نے انکی کتاب جامع کے متعلق کہا تھا کہ کاف للمجتہد و مغن للمقلد، یہ صاحب ثلاثی ہیں برخلاف ابو مسلم و ابو داؤد کہ ثلاثی نہیں رکھتے ہیں۔
نسائی رح	۲۱۵ھ	۳۰۳ھ	ابو عبد الرحمن نسائی، حفاظ حدیث میں سے تھے، صاحب جرح و تعدیل تھے، حاکم نے ابو علی نیشاپوری سے روایت کی ہے کہ اہل اسلام میں حفاظ حدیث چار تھے۔ انمیں ابو عبد الرحمن بھی ہیں۔ ترجمۃ الابواب میں بخاری کا پایہ رکھتے تھے۔
ابن ماجہ رح	۲۰۹ھ	۲۷۰ھ	ابو عبد اللہ محمد بن یزید۔ صاحب سنن ہیں۔ انکی کتاب بھی صحاح ستہ میں شامل ہے۔ مگر انکی کتاب میں بعض حدیث منکر بلکہ موضوع ہے۔
دارمی رح	۱۷۴ھ	۲۵۵ھ	ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی۔ ان کے متعلق امام احمد فرماتے تھے کہ علیک بذاک السید علیک بذاک السید۔ کہا جاتا تھا کہ دنیا میں چار شخص حفاظ تھے۔ بخارا میں محمد بن اسمٰعیل۔ رے میں ابو زرعہ۔ نیشاپور میں مسلم

اسمائے ائمہ کرام	سنہ ولادت	سنہ وفات	مختصر کیفیات
			سمرقند میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن۔
دار قطنی رح	سنہ ۳۰۶ھ	سنہ ۳۸۵ھ	ابوالحسن بن علی بن عمر الدار قطنی۔ حافظ حدیث تھے فن جرح و تعلیل میں خاتم المحدثین تھے۔
بیہقی رح	سنہ ۳۸۴ھ	سنہ ۴۵۸ھ	ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی۔ ان کی تصانیف کے ہزار جزو تھے۔ متاخرین میں سے سات شخصوں کی تصنیف سے اسلام کو فائدہ پہونچا۔ ان میں انکا بھی شمار تھے۔
امام نووی رح	سنہ ۶۳۱ھ	سنہ ۶۷۶ھ	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شارح مسلم تھے ان کو شادی کرنے کا اتفاق نہیں پڑا۔ مجرد و منفرد تھے۔ ذکر و فکر، و تعلیم و تصنیف میں مشغول رہتے تھے
رزین رح		سنہ بعد از پنج صد	ابوالحسین رزین بن معاویہ العبدری۔ صاحب کتاب "التجرید بین الصحاح"۔ ہیں مشہور محدث تھے

ترجمۃ المصنف

(الشیخ عبدالحق المحدث الدہلوی رح)

علامہ نواب صدیق حسن رح نے اپنی کتاب "اتحاف[1] النبلاء" میں لکھا ہے کہ عبدالحق محدث دہلوی کی ولادت باسعادت سنہ ۹۵۸ھ میں ہوئی ہے صاحب حدائق الحنفیہ

[1] یہ کتاب مدرسہ عالیہ کلکتہ کے کتب خانہ میں موجود ہے ۱۲ منہ

رقمطراز ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی بن سیف الدین بن سعد اللہ ترک دہلوی بخاری کے آباو اجداد بخارا کے رہنے والے تھے جو دہلی میں آن کر سکونت پذیر ہوئے۔ جہاں محرم ۹۵۸ھ میں آپ کی ولادت ہوئی ہے۔ انتہیٰ

خود اپنی کتاب "اخبار الاخیار" کے خاتمہ میں حضرت موصوف اپنا حال یوں تحریر فرماتے ہیں کہ میں چار سالہ تھا، میرے والد مرحوم نے مجھ کو شفقت ظاہری سے تربیت باطنی کی طرف توجہ دلائی، اسوقت کی تمام باتیں مجھے بخوبی یاد ہیں حتیٰ کے دو اڑھائی سال کے واقعات و حکایات بھی میرے دل میں ایسے ہیں گویا کل کی باتیں، میں نے دو تین مہینہ میں قرآن مجید پڑھ لیا، اور مدت ایک ماہ میں قدرتِ کتاب اور سلیقہ انشا حاصل کیا اور نحو و صرف کی کتابیں پڑھنا شروع کر دیا اور بارہ برس کی عمر میں شمسیہ وغیرہ پڑھ لیا اسی طرح پر بہت جلد جملہ علوم و فنون پر عبور ہو گیا، لڑکپن سے میں نہیں جانتا کہ کھیل کیا چیز ہے۔ آرام کیا ہے۔ شوق کسب علم سے کھانا وقت پر نہیں کھاتا تھا۔ سونا وقت پر نہیں ہوتا تھا۔ انتہیٰ

"الروض المسطور"[۵] میں لکھا ہے کہ شاہ صاحب موصوف اپنی طالب العلمی کی زندگی میں طلب علم میں از حد منہمک تھے، حتیٰ کہ کئی دفعہ مطالعہ کے وقت ان کی پگڑی اور سر کے بالوں میں بتی سے آگ بھی لگ گئی تھی، اور ان کو معلوم نہ ہوا تھا معہذا نوافل اور اوراد شب خیزی و مناجات میں بھی مقبولیت سے ایسے عادی تھے کہ لوگ دیکھکر حیران رہجاتے تھے بچپنے سے محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں غرق بلکہ سچے عاشق رسول صلعم تھے۔ انتہیٰ

علامہ صدیق حسنؒ نے "ابجد العلوم" میں لکھا ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کو حفظ کیا ہے

---

۵ یہ کتاب بھی مدرسۂ عالیہ کلکتہ کے کتب خانہ میں موجود ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

اور بیس برس کے قبل تحصیل علوم سے فارغ ہوا، اور بائیس برس کی عمر میں مسند افادۂ ظاہری و باطنی پر جلوس فرمایا ہے۔ اسی اثنا میں رحلت حرمین شریفین اور زیارت مزار پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضیاب ہوا ہے۔ اور شیخ عبدالوہاب متقی خلیفہ شیخ علی متقی رح کی صحبت حاصل کیا اور انھوں سے علم حدیث کی سند لی بعد ازاں وطن میں واپس آئے۔ اور پچیس برس تک مکان میں اقامت پذیر رہے، اسی زمانہ میں انھوں نے علوم دین کی اشاعت شروع کی، اور اسلام کی پوری خدمت ادا کی، مشکوٰۃ المصابیح کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ سفر السعادت کی شرح لکھی، انکی تصانیف کی عدد سو تک پہونچ گئے ہیں جب دہلی گیا تھا۔ تو انکے مزار پر جانے کا اتفاق ہوا اور انکی قبر کو مونس پایا، حدیث میں انکو کما حقہ مہارت نہ تھی لیکن فقہ حنفی میں میں بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ پکا مقلد اور اولیا کے اعتقاد میں ان کو غلو تھا۔ انتہیٰ

میں نے سطور بالا میں بلفظہٖ ابجد العلوم[1] کا ترجمہ قارئین کے سامنے پیش کردیا مگر ممکن ہے کہ اس بیان سے ناظرین کے دلوں میں اعتراض و شکوک کا تصادم ہوتا ہوگا۔ کیونکہ صاحب ابجد، نواب صدیق حسن علیہ الرحمۃ جن کی شان میں "العروج بالفروج" کی مثل مشہور ہے۔ انکا مقولہ "انکو حدیث میں کما حقہ مہارت نہ تھی" اس کے سبب وجیہ ہے۔

یوں تو ان شکوک کا ازالہ مندرجۂ ذیل بیان اہل سیر مصنفین تذکرہ کے تصریحات سے ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اکثر نے انکا اسی مقولہ کو تعصب پر حمل کیا ہے، کہ تقلید کے مسئلہ ہی نے اسپر رنگ چڑھایا تھا، علاوہ ازیں ان کی روز روشن

---

[1] کتب خانہ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں یہ کتاب میری نظر سے گذری ہے ۱۲ منہ

حدیث دانی پر اعتراض و ریویو کرنا، خوشہ چیں ہوتے ہوئے احسان فراموشی کرنا در حقیقت شیخ معترض کے نقص کمال میں کمال نقص کا ثبوت دیتا ہے۔ نیز حضرت شیخ دہلوی کا تصوفیت میں غلو تھا، وہ کامل صوفی، اور پکے زاہد و متقی تھے، ممکن ہے اسی وجہ سے نواب صاحب کو ان سے کد ہو جو حدیث دانی پر اعتراض کے پیرایہ میں ظاہر ہوئی۔ بہر حال حضرت شیخ کی تصانیف خصوصاً لمعات التنقیح شرح سفر السعادۃ کا مطالعہ اگر نواب صاحب نے کیا ہوتا تو ضرور ان پر ظاہر ہو جاتا کہ حضرت شیخ زبردست محدث تھے فن حدیث میں انکو ید طولیٰ حاصل تھا چنانچہ صاحب حدائق الحنفیہ ارقام فرماتے ہیں کہ آپ اپنے زمانہ کے فقیہ محقق، محدث مدقق، بقیۃ السلف، حجت الخلف، مورخ الضبط، فخر ہندوستان، جامع علوم ظاہری و باطنی، مستند مخالف و موافق تھے، آپ ہیں جنہوں نے پہلی پہل علم حدیث کو عرب سے لاکر سر زمین ہند کو منور کیا، اور اپنی تصنیفات سے علم حدیث کو ہندوستان کے ہر خطہ و قطعہ میں پھیلا دیا، آپ کی فضیلت و نقد حدیث میں کوئی موافق و مخالف شک نہیں کر سکتا ہے، مگر جس کو اللہ نے انصاف سے اندھا کر دیا ہے، یا جس شخص نے تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ لی ہے۔ انتہیٰ اسی کتاب کے صفحہ ۳۸۱ میں ہے کہ فنون علمیہ خصوصاً فن حدیث میں کتب معتبرہ تصنیف کیں جن پر علمائے زماں فخر کرتے ہیں اور ان کو اپنا دستور العمل جانتے ہیں اور اہل دانش، خواص و عوام جان سے ان کے خریدار ہیں۔ انتہیٰ۔

"صاحب سبحۃ المرجان" میں رقمطراز ہے کہ سفر حجاز سے واپسی کے بعد حضرت موصوف علوم شرعیہ کی خدمت و اشاعت میں اپنی زندگی کو وقف کر رکھے تھے، خصوصاً علم حدیث کی تبلیغ قبل ازیں انکی طرح کسی نے نہیں کی۔ ہند میں علوم حدیث کا رواج

ل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں یہ کتاب میری نظر سے گذری، اسیطرح سبحۃ المرجان، تذکرہ علمائے ہندوستان

Marfat.com

انھوں نے دیا ہے۔ انکی تصانیف بالخصوص علم حدیث کی کتابوں پر علمائے لاحقین کا اعتماد و ناز ہے۔ انتہیٰ

حدائق میں ہے کہ ابتدا میں آپ کو شیخ احمد سرہندیؒ سے کچھ مخالفت تھی لیکن اخیر عمر میں ان خیالات سے رجوع فرما کر صفائی حاصل کر لی۔

انکی تصانیف میں جو کتابیں مشہور ہیں وہ یہ ہیں لمعات التنقیح علی المشکوٰۃ (عربی) اشعۃ اللمعات علی المشکوٰۃ (فارسی) شرح سفر السعادۃ، شرح فتوح الغیب مدارج النبوۃ، شرح اسماء الرجال بخاری، اخبار الاخیار، چہل رسالہ، فتح المنان فی مناقب النعمان، جذب القلوب الی دیار المحبوب، زبدۃ الآثار، جامع البرکات، مرج البحرین، زاد المتقین، ماثبت بالسنۃ، حلیہ جلیلہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم انتہیٰ

اصول و اصطلاحات علم حدیث کا یہ رسالہ جس کا ترجمہ و شرح کی توفیق بندۂ نادان کو من اللہ المعین والموفق حاصل ہوئی انکی تالیف ہے۔ مگر مستقل نہیں، بلکہ یہ مقدمہ گویا لمعات التنقیح کے دیباچہ اور اس کا ایک باب ہے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (کلکتہ) میں بندہ کی نظر سے لمعات کا ایک قلمی نسخہ گذرا ہے اسمیں دیکھنے میں آیا کہ آپ نے حمد و نعت، لمعات کی وجہ تالیف، اور اپنا مختصر حال لکھنے کے بعد یہ مقدمہ بیان فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ رسالہ شیخ علیہ الرحمۃ موصوف کی تالیف ہے۔

شاہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۵۲ھ میں بموجب کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ۔ اس دار فنا سے عازم ملک بقا ہوئے (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) اللھم اغفر لہ ولاحبابہ۔ وَلِمَنْ تذکرہ بالایمان۔ آمین۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ والہٖ واصحابہٖ واھل بیتہٖ اجمعین۔

تمت بالخیر

کتاب ملنے کے پتے

(۱)

مبین احمد ایوبی کتب خانہ حدیث منزل جامع مسجد بوگرہ

(۲)

امدادیہ لائبریری۔ چوک بازار ڈھاکہ

(۳)

نور محمد۔ کارخانہ تجارت کتب۔ آرام باغ۔ کراچی

Marfat.com

بسلسلۂ اشاعت اردو

اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا - قرآن -

اصول حدیث کی نہایت دلچسپ، جامع وکامل کتاب، اور حضرتِ شیخ
عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے مقدمہ مشکوۃ کی مکمل اور بہترین اردو شرح

مع اضافہ وترمیم

المنہج القوی فی شرح المقدمۃ للدہلوی

مؤلفہ

ابو نصر محمد نجیب اللہ قاسم نگری (ممتاز المحدثین)

مصنف

کتاب الاملاء فی قوانین الانشاء (عربی)

"ختم نبوت" (بنگلہ) و "پردہ تتا" ناریدیر شمبل وغیرہ

پرنسپل مصطفویہ عالیہ مدرسہ بوگرا"

(مشرقی پاکستان)

باہتمام

مولوی شیخ مبین احمد یونی، مالک حدیث منزل بوگرا

۱۹۵۰ء طبع ہوکر شائع ہوئی ۱۳۷۰ھ

Marfat.com